اس شمارے میں

حرف اوّل

ترجمۂ قرآن کریم سمر کیمپ — حافظ محمد زبیر — 2

بیان القرآن

سورۃ البقرۃ (آیات ۲۲۲ تا ۲۳۱) — ڈاکٹر اسرار احمد — 3

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی و نحوی تشریح — لطف الرحمٰن خان — 19

حکمت نبویؐ

نبی اکرم ﷺ کی تین وصیتیں — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 29

مطالعۂ ادیان

تالمود کا تعارف — مدثر حسین سیان — 33

فکر و نظر

نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام (۲) — حافظ محمد زبیر — 39

بحث و نظر

ربا النسیئۃ — مرزا عمران حیدر — 49

کتاب نما

تعارف و تبصرۂ کتب — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 61

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

قرآن اکیڈمی
11-9-07
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ

حکمت قرآن

لاہور

مدیر اعزازی: ڈاکٹر اسرار احمد
مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر
ادارہ تحریر:
حافظ عاطف وحید۔ حافظ محمد زبیر
پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ - ستمبر ۲۰۰۷ء شمارہ ۹

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-5869501
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے
انڈیا: 700 روپے۔ ایشیا، یورپ، افریقہ: 1100 روپے۔ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: 1400 روپے

حرف اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمۂ قرآن کریم سمر کیمپ

علومِ شرعیہ دو قسم کے ہیں' ایک علومِ عالیہ اور دوسرے علومِ آلیہ۔ علوم عالیہ سے مراد قرآن وسنت ہیں جن کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس دنیا کی رہنمائی کے لیے نازل کیا۔ قرآن و سنت میں اللہ کی طرف سے دی گئی ہدایات اور احکامات کے فہم کے لیے جن علوم کی ذریعہ و اسباب کے طور پر تعلیم دی جاتی ہے وہ علومِ آلیہ کہلاتے ہیں' جن میں صرف' نحو' بلاغہ' اصولِ فقہ' اصولِ حدیث' اصولِ تفسیر وغیرہ شامل ہیں۔ اصل علم قرآن وسنت ہی ہے' باقی علوم کی حیثیت ان کے خادم کی سی ہے' لہٰذا ہر دینی ادارے یا مدرسے کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے نصابِ تعلیم میں اصل اہمیت قرآن وسنت کی تعلیم کو دے۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ عام طور پر مدارسِ دینیہ میں علومِ آلیہ کی تعلیم تو بہت اچھی طرح دی جاتی ہے لیکن ان علوم کی قرآن وسنت کی نصوص پر تطبیق نہیں کروائی جاتی کہ جس کے لیے یہ سارے علوم پڑھائے گئے تھے۔ مثال کے طور پر علم بلاغہ ہی کو لیں' مدارس دینیہ میں اس علم کو پڑھاتے وقت عام طور پر جو کتب نصاب میں شامل ہوتی ہیں ان میں اس علم کی مختلف اصطلاحات کو سمجھانے کے لیے عربی اشعار سے مثالیں بیان کی جاتی ہیں جو عموماً طلبہ کے پلّے نہیں پڑتیں۔ لیکن اگر اسی علم کو پڑھاتے وقت قرآنی آیات پر اس کی تطبیق کروائی جائے' جیسا کہ امام سیوطیؒ نے 'الاتقان' اور امام زرکشیؒ نے 'البرھان' میں کیا ہے' تو طلبہ کے لیے اس علم کی بنیادی اصطلاحات کا سمجھنا کئی گنا آسان بھی ہو جائے گا اور اس سے وہ مقصود بھی حاصل ہو گا جس کے لیے علم بلاغہ پڑھایا جا رہا تھا۔ اسی طرح کا معاملہ علم صرف ونحو کا ہے کہ اس علم کو پڑھاتے وقت بھی عام طور پر جو مثالیں بیان کی جاتی ہیں وہ عربی زبان وادب کی ہوتی ہیں نہ کہ قرآن وسنت کی۔ مثال کے طور پر 'شرح مائۃ عامل' کی تعلیم کے دوران طالب علم کو یہ تو پڑھا دیا جاتا ہے کہ 'باء جارۃ' کی دس اقسام ہیں یا سترہ ہیں' لیکن ان اقسام کو سمجھانے کے لیے نہ تو قرآن وسنت سے مثالیں لائی جاتی ہیں اور نہ ہی بعد ازاں قرآن وسنت پر ان اقسام کی تطبیق کروائی جاتی ہے۔

(باقی صفحہ 64 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۲۲۲ تا ۲۲۸

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى
الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ
حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾
نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا
لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾
وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ
النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِىْٓ اَيْمَانِكُمْ
وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ
يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ
يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ
فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ
بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾﴾

آیت ۲۲۲ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ﴾ ''اور وہ عورتوں کی ماہواری کے

بارے میں آپؐ سے سوال کر رہے ہیں۔"

﴿قُلْ هُوَ اَذًى﴾ "کہہ دیجیے وہ ایک ناپاکی بھی ہے اور ایک تکلیف کا مسئلہ بھی ہے"

﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ﴾ "تو حیض کی حالت میں عورتوں سے علیحدہ رہو"

﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ "اور ان سے مقاربت نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔"

﴿فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ "پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو اب ان کی طرف جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔"

معلوم ہوا کہ بدیہیاتِ فطرت اللہ تعالیٰ کے اوامر میں شامل ہیں۔ عورتوں کے ساتھ مجامعت کا طریقہ انسان کو فطری طور پر معلوم ہے' یہ ایک امر طبعی ہے۔ ہر حیوان کو بھی جبلی طور پر معلوم ہے کہ اسے اپنی مادّہ کے ساتھ کیسا تعلق قائم کرنا ہے۔ لیکن اگر انسان فطری طریقہ چھوڑ کر غیر فطری طریقہ اختیار کرے اور عورتوں کے ساتھ بھی قومِ لوط والا عمل کرنے لگے تو یہ حرام ہے۔ صحیح راستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری فطرت میں ڈالا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ "یقیناً اللہ محبت کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں سے اور محبت کرتا ہے بہت پاکبازی اختیار کرنے والوں سے۔"

ان سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے توبہ کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں سے دور رہتے ہیں۔

آیت ۲۲۳ ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ "تمہاری بیویاں تمہارے لیے بمنزلہ کھیتی ہیں۔"

جیسے کھیت میں بیج بوتے ہو' پھر فصل کاٹتے ہو' اسی طرح بیویوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد عطا کرتا ہے۔

﴿فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ "تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔"

تم اپنی کھیتی میں جدھر سے چاہو آؤ' تمہارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے' آگے سے یا

داہنی طرف سے یا بائیں طرف سے' جدھر سے بھی چاہو' مگر یہ ضرور ہے کہ تخم ریزی اسی خاص جگہ میں ہو جہاں سے پیداوار کی امید ہو سکتی ہے۔

﴿وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ﴾ ''اور اپنے آگے کے لیے سامان کرو۔''

یعنی اپنے مستقبل کی فکر کرو اور اپنی نسل کو آگے بڑھانے کی کوشش کرو۔ اولاد انسان کا اثاثہ ہوتی ہے اور بڑھاپے میں اس کا سہارا بنتی ہے۔ آج تو الٹی گنگا بہائی جارہی ہے اور اولاد کم سے کم پیدا کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے' جبکہ ایک زمانے میں اولاد عصائے پیری شمار ہوتی تھی۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ تمہیں اس سے مل کر رہنا ہے۔''

نوٹ کیجیے کہ قرآن حکیم میں شریعت کے ہر حکم کے ساتھ تقویٰ کا ذکر بار بار آرہا ہے۔ اس لیے کہ کسی قانون کی لاکھ پیروی کی جارہی ہو مگر تقویٰ نہ ہو تو وہ قانون مذاق بن جائے گا' کھیل تماشا بن جائے گا۔ اس کی بعض مثالیں ابھی آئیں گی۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اہل ایمان کو بشارت دے دیجیے۔''

آیت ۲۲۴ ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ﴾ ''اور اللہ کے نام کو تختۂ مشق نہ بنا لو اپنی قسموں کے لیے''

﴿اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ﴾ ''کہ بھلائی نہ کرو گے' پرہیزگاری نہ کرو گے اور لوگوں کے درمیان صلح نہ کراؤ گے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے عظیم نام کو استعمال کرتے ہوئے ایسی قسمیں مت کھاؤ جو نیکی و تقویٰ اور مقصدِ اصلاح کے خلاف ہوں۔ کسی وقت غصے میں آکر آدمی قسم کھا بیٹھتا ہے کہ میں فلاں شخص سے کبھی حسن سلوک اور بھلائی نہیں کروں گا' اس سے روکا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کی قسم کھالی تھی۔ مِسطح ایک غریب مسلمان تھے' جو آپؓ کے قرابت دار بھی تھے۔ ان کی آپؓ مدد کیا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو مِسطح بھی اُس آگ کے بھڑکانے والوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے

طرزِ عمل سے بہت رنجیدہ خاطر ہوئے کہ میں تو اس کی سرپرستی کرتا رہا اور یہ میری بیٹی پر تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گیا۔ آپؓ نے قسم کھائی کہ اب میں کبھی اس کی مدد نہیں کروں گا۔ یہ واقعہ سورۃ النور میں آئے گا۔ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم ایسا نہ کرو' تم اپنی نیکی کے دروازے کیوں بند کرتے ہو؟ جس نے ایسی قسم کھالی ہے وہ اس قسم کو کھول دے اور قسم کا کفارہ دے دے۔ اسی طرح لوگوں کے مابین مصالحت کرانا بھی ضروری ہے۔ دو بھائیوں کے درمیان جھگڑا تھا' آپ نے مصالحت کی کوشش کی لیکن آپ کی بات نہیں مانی گئی' اس پر آپ نے غصے میں آ کر کہہ دیا کہ اللہ کی قسم' اب میں ان کے معاملے میں دخل نہیں دوں گا۔ اس طرح کی قسمیں کھانے سے روکا گیا ہے۔ اور اگر کسی نے ایسی کوئی قسم کھائی ہے تو وہ اسے توڑ دے اور اس کا کفارہ دے دے۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۲۲۵ ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرے گا تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر (جو تم عزم و ارادہ کے بغیر کھا بیٹھتے ہو)''

عربوں کا اندازِ گفتگو اس طرح کا ہے کہ وَاللّٰہِ' بِاللّٰہِ کے بغیر ان کا کوئی جملہ شروع ہی نہیں ہوتا۔ اس سے درحقیقت ان کی نیت قسم کھانے کی نہیں ہوتی بلکہ یہ ان کا گفتگو کا ایک اسلوب ہے۔ اس طرح کی قسموں پر مؤاخذہ نہیں ہے۔

﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ ''لیکن ان قسموں پر تم سے ضرور مؤاخذہ کرے گا جو تم نے اپنے دلی ارادے کے ساتھ کھائی ہوں۔''

ایسی قسموں کو توڑو گے تو کفارہ دینا ہوگا۔ کفارے کا حکم سورۃ المائدۃ میں بیان ہوا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ سورۃ البقرۃ میں شریعت اسلامی کا ابتدائی خاکہ دے دیا گیا ہے اور اس کے تکمیلی احکام کچھ سورۃ النساء میں اور کچھ سورۃ المائدۃ میں بیان ہوئے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا اور حلیم ہے۔''

وہ بہت درگزر کرنے والا اور بُردبار ہے۔ وہ فوراً نہیں پکڑتا' بلکہ اصلاح کی مہلت دیتا ہے۔

آیت ۲۲۶ ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾ ''جو لوگ اپنی بیویوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے۔''

اگر کوئی مرد کسی وقت ناراض ہو کر یا غصے میں آ کر یہ قسم کھا لے کہ اب میں اپنی بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا' اس سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا' تو یہ ایلاء کہلاتا ہے۔ خود آنحضور ﷺ نے بھی اپنی ازواجِ مطہرات سے ایلاء فرمایا تھا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے عرض کیا تھا کہ اب عام مسلمانوں کے ہاں بھی خوشحالی آ گئی ہے تو ہمارے ہاں یہ تنگی اور سختی کیوں ہے؟ اب ہمارے بھی نفقات بڑھائے جائیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایلاء کیا۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ عام طور پر ہوتا یہ تھا کہ لوگ قسم تو کھا بیٹھتے تھے کہ بیوی کے پاس نہ جائیں گے' مگر بعد میں اس پر پچھتاتے تھے کہ کیا کریں۔ اب وہ بیوی بے چاری معلق ہو کر رہ جاتی۔ اس آیت میں ایلاء کی مہلت مقرر کر دی گئی کہ زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک انتظار کیا جا سکتا ہے۔

﴿فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''پس اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا' مہربان ہے۔''

ان چار ماہ کے دوران اگر وہ اپنی قسم کو ختم کریں اور رجوع کر لیں' تعلق زن و شو قائم کر لیں تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

آیت ۲۲۷ ﴿وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اگر وہ طلاق کا ارادہ کر چکے ہوں تو اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

یعنی چار ماہ کا عرصہ گزر جانے پر شوہر کو بہر حال فیصلہ کرنا ہے کہ وہ یا تو رجوع کرے یا طلاق دے۔ اب عورت کو مزید معلق نہیں رکھا جا سکتا۔ رجوع کی صورت میں چونکہ قسم توڑنا ہو گی لہٰذا اس کا کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں یہ حکم جاری کیا تھا کہ جو لوگ جہاد کے لیے گھروں سے دور گئے ہوں انہیں چار ماہ بعد لازمی طور پر گھر بھیجا جائے۔ آپؓ نے یہ حکم غالباً اسی آیت سے استنباط کرتے ہوئے جاری فرمایا تھا۔ اس کے لیے آپؓ نے اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشاورت بھی فرمائی تھی۔ اگرچہ آپؓ کا حضرت حفصہؓ سے باپ بیٹی کا رشتہ ہے' مگر دین کے معاملات میں شرم و حیا آڑے نہیں آتی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الاحزاب:۵۳) ''اور اللہ شرماتا نہیں حق بات بتلانے میں''۔ آپؓ نے ان سے پوچھا کہ ایک عورت کتنا عرصہ اپنی عفت و عصمت کو سنبھال کر اپنے شوہر کا انتظار کر سکتی ہے؟ حضرت حفصہؓ نے کہا چار ماہ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مجاہدین کے بارے میں یہ حکم جاری فرما دیا کہ انہیں چار ماہ سے زیادہ گھروں سے دُور نہ

رکھا جائے۔

آیت ۲۲۸ ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ ''اور جن عورتوں کو طلاق دے دی جائے اُن پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔''

طلاق کے بعد عورت کے لیے تین حیض کی عدت ہے۔ اس عدت میں شوہر چاہے تو رجوع کر سکتا ہے' اگر اس نے ایک یا دو طلاقیں دی ہوں۔ البتہ تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق نہیں ہے۔ طلاقِ رجعی کے بعد بھی اگر عدت ختم ہو جائے تو اب شوہر کا رجوع کا حق ختم ہو جائے گا اور عورت آزاد ہو گی۔ لیکن اس مدت کے اندر وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی۔

﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ﴾ ''اور اُن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے ارحام میں جو کچھ پیدا کر دیا ہو وہ اسے چھپائیں''

﴿اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اگر وہ فی الواقع اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتی ہیں۔''

تین حیض کی مدت اسی لیے مقرر کی گئی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں۔ اگر عورت حاملہ ہو لیکن وہ اپنا حمل چھپا رہی ہو تا کہ اس کے پیٹ میں پلنے والا اس کا بچہ اس کے پاس ہی رہے' تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ ''اور ان کے شوہر اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں لوٹا لیں اس عدت کے دوران میں اگر وہ واقعۃً اصلاح چاہتے ہوں۔''

اسے رجعت کہتے ہیں۔ شوہروں کو حق حاصل ہے کہ وہ عدت کے اندر اندر رجوع کر سکتے ہیں' لیکن یہ حق تیسری طلاق کے بعد حاصل نہیں رہتا۔ پہلی یا دوسری طلاق کے بعد عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ وہ رجوع کر لے۔ اس پر بیوی کو انکار کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ تم تو مجھے طلاق دے چکے ہو' اب میں تمہاری بات ماننے کو تیار نہیں ہوں۔

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''اور عورتوں کے لیے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں ہیں دستور کے مطابق۔''

یعنی ان کے لیے جو حقوق ہیں وہ ان کی ذمہ داریوں کی مناسبت سے ہیں۔
﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ﴾ ''اور مردوں کے لیے ان پر ایک درجہ فوقیت کا ہے۔''
﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

اس زمانے میں اس آیت کی بہت غلط تعبیر بھی کی گئی ہے اور اس سے مساواتِ مَرد و زن کا فلسفہ ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مترجمین نے ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ ''عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ویسے ہی ہیں جیسے مردوں کے اُن پر حقوق ہیں''۔ یہ ترجمہ درست نہیں ہے' اس لیے کہ اسلامی شریعت میں مرد اور عورت کے درمیان یعنی شوہر اور بیوی کے درمیان مساوات نہیں ہے۔ اس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے عربی میں ''لِ'' اور ''عَلٰی'' کا استعمال معلوم ہونا چاہیے۔ ''لِ'' کسی کے حق کے لیے اور ''عَلٰی'' کسی کی ذمہ داری کے لیے آتا ہے۔ چنانچہ اس ٹکڑے کا ترجمہ اس طرح ہوگا: لَهُنَّ ''ان کے لیے حقوق ہیں''۔ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ ''جیسی کہ ان پر ذمہ داریاں ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے جیسی ذمہ داری مَرد پر ڈالی ہے ویسے حقوق اس کو دیے ہیں اور جیسی ذمہ داری عورت پر ڈالی ہے اُس کی مناسبت سے اس کو بھی حقوق دے دیے ہیں۔ اور اس بات کو کھول دیا کہ ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ﴾ یعنی مردوں کو اُن پر ایک درجہ فوقیت کا حاصل ہے۔ اب مساوات کیونکر ہو سکتی ہے؟ آخر میں فرمایا:
﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

خواہ تمہیں یہ بات پسند ہو خواہ ناپسند ہو' یہ اُس کا حکم ہے۔ وہ عزیز ہے' زبردست ہے' جو چاہے حکم دے۔ اور حکیم ہے' حکمت والا ہے' اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔

اس آیت میں جو مضمون بیان ہوا ہے اس پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔ دیکھئے' انسانی تمدن کا اہم ترین اور بنیادی ترین مسئلہ کیا ہے؟ ایک ہے انسانی زندگی کا مسئلہ۔ انسانی زندگی کا سب سے پہلا مسئلہ تو وہی ہے جو حیوانی زندگی کا بھی ہے' یعنی اپنی مادی ضروریات۔ ہر حیوان کی طرح انسان کے ساتھ بھی پیٹ لگا ہوا ہے جو کھانے کو مانگتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جب دو انسان ملتے ہیں اور اس سے تمدن کا آغاز ہوتا ہے تو اس کا سب سے بڑا مسئلہ انسان کی شہوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دو جنسیں بنا دی ہیں اور ان دونوں کے مابین تعلق سے

نسل آگے چلتی ہے۔ اب اس معاملے کو کیسے منظم کیا جائے‘ اس کی کیا حدود و قیود ہوں؟ یہ جذبہ واقعتہً بہت زور آور (potent) ہے۔ اس کے بارے میں فرائیڈ نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل بے بنیاد نہیں ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ اس نے ذرا زیادہ مرچ مسالا لگا دیا ہے‘ ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا جنسی جذبہ نہایت قوی اور زور آور جذبہ ہے۔ اور جو شے جتنی قوی ہو اسے حدود میں رکھنے کے لیے اس پر اسی قدر زیادہ قدغنیں عائد کرنی پڑتی ہیں۔ کوئی گھوڑا جتنا منہ زور ہوا تنا ہی اسے لگام دینا آسان نہیں ہوتا‘ اس کے لیے پھر مشقت کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ اگر اس جنسی جذبے کو بے لگام چھوڑ دیا جاتا تو تمدن میں فساد ہو جاتا۔ لہٰذا اس کے لیے شادی کا معاملہ رکھا گیا کہ ایک عورت کا ایک مرد کے ساتھ رشتہ قائم ہو جائے‘ سب کو معلوم ہو کہ یہ اس کی بیوی ہے یہ اس کا شوہر ہے‘ تاکہ اس طرح نسب کا معاملہ بھی چلے اور ایک خاندانی ادارہ وجود میں آئے۔ ورنہ آزاد شہوت رانی (free sex) سے تو خاندانی ادارہ وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ نکاح کے ذریعے ازدواجی بندھن کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سکھایا اور اس طرح خاندانی ادارہ وجود میں آیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس ادارے میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں؟ اس نظریے سے بڑی حماقت اور کوئی نہیں ہے۔ اس لیے کہ سیدھی سی بات ہے کہ کسی بھی ادارے کے دو برابر کے سربراہ نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ کسی محکمے کے دو ڈائریکٹر بنا دیں تو وہ ادارہ تباہ ہو جائے گا۔ اوپر مینیجنگ ڈائریکٹر ایک ہی ہوگا‘ اس کے نیچے آپ دس ڈائریکٹر بھی بنا دیں تو کوئی حرج نہیں۔ کسی ادارے کا جنرل مینیجر ایک ہی ہوگا‘ اس کے ماتحت آپ ہر شعبے کا ایک مینیجر بنا دیجیے۔ کسی بھی ادارے میں اگر نظم قائم کرنا ہے تو اس کا چوٹی (top) کا سربراہ ایک ہی ہونا چاہیے۔ لہٰذا جب ایک مرد اور ایک عورت سے ایک خاندانی ادارہ وجود میں آئے تو اس کا سربراہ کون ہوگا ـــــ مرد یا عورت؟ مرد اور عورت انسان ہونے کے ناطے بالکل برابر ہیں‘ ایک ہی باپ کے نطفے سے بیٹا بھی ہے اور بیٹی بھی۔ ایک ہی ماں کے رحم میں بہن نے بھی پرورش پائی ہے اور بھائی نے بھی۔ لہٰذا اس اعتبار سے شرفِ انسانیت میں‘ نوعِ انسانیت کے فرد کی حیثیت سے‘ دونوں برابر ہیں۔ لیکن جب ایک مرد اور ایک عورت مل کر خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں تو اب یہ برابر نہیں رہے۔ جیسے انسان سب برابر ہیں‘ لیکن ایک دفتر میں چپڑاسی اور افسر برابر نہیں ہیں‘ ان کے الگ الگ اختیارات اور فرائض ہیں۔

قرآن حکیم میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ جو احکام دیے گئے ہیں وہ خاندانی نظام اور عائلی معاملات ہی سے متعلق ہیں۔ اس لیے کہ انسانی تمدن کی جڑ بنیاد یہی ہے۔ یہاں سے خاندان بنتا ہے اور خاندانوں کے اجتماع کا نام معاشرہ ہے۔ پاکستانی معاشرے کی مثال لے لیجیے۔ اگر ہماری آبادی اِس وقت چودہ کروڑ ہے اور آپ ایک خاندان کے سات افراد شمار کر لیں تو ہمارا معاشرہ دو کروڑ خاندانوں پر مشتمل ہے۔ خاندان کا ادارہ مستحکم ہوگا تو معاشرہ مستحکم ہو جائے گا۔ خاندان کے ادارے میں صلاح اور فلاح ہوگی تو معاشرے میں بھی صلاح و فلاح نظر آئے گی۔ اگر خاندان کے ادارے میں فساد‘ بے چینی‘ ظلم اور ناانصافی ہوگی‘ میاں اور بیوی میں جھگڑے ہو رہے ہوں گے تو پھر وہاں اولاد کی تربیت صحیح نہیں ہوسکتی‘ ان کی تربیت میں یہ منفی چیزیں شامل ہو جائیں گی اور اسی کا عکس پورے معاشرے پر پڑے گا۔ چنانچہ خاندانی ادارے کی اصلاح اور اس کے استحکام کے لیے قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے احکام دیے گئے ہیں‘ جنہیں عائلی قوانین کہا جاتا ہے۔

اس ضمن میں طلاق ایک اہم معاملہ ہے۔ اس میں مرد اور عورت کو برابر کا اختیار نہیں دیا گیا۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے اس میں عورت کی رضامندی ضروری ہے‘ اسے شادی سے انکار کرنے کا حق حاصل ہے‘ اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ایک مرتبہ جب وہ نکاح میں آ گئی ہے تو اب شوہر کا پلڑا بھاری ہے‘ وہ اسے طلاق دے سکتا ہے۔ اگر ظلم کے ساتھ دے گا تو اللہ کے ہاں جواب دہی کرنی پڑے گی اور پکڑ ہو جائے گی۔ لیکن بہر حال اسے اختیار حاصل ہے۔ عورت خود طلاق نہیں دے سکتی‘ البتہ طلاق حاصل کر سکتی ہے‘ جسے ہم ”خلع“ کہتے ہیں۔ وہ عدالت کے ذریعے سے یا خاندان کے بڑوں کے ذریعے سے خلع حاصل کر سکتی ہے‘ لیکن اسے مرد کی طرح طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مرد نے ایک یا دو طلاقیں دے دیں اور ابھی عدت پوری نہیں ہوئی تو اسے رجوع کا حق حاصل ہے۔ اس پر عورت انکار نہیں کر سکتی۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو موجودہ زمانے میں خواتین کو اچھی نہیں لگتیں۔ اس لیے کہ آج کی دنیا میں مساواتِ مرد و زن کا فلسفہ شیطان کا سب سے بڑا فلسفہ اور معاشرے میں فتنہ و فساد اور گندگی پیدا کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اور اب ہمارے ایشیائی ممالک خاص طور پر مسلمان ممالک میں خاندانی نظام کی جو بچی کھچی شکل باقی رہ گئی ہے اور جو کچھ رہی سہی اقدار موجود ہیں انہیں تباہ و برباد کرنے کی سرتوڑ کوششیں ہو رہی ہیں۔ قاہرہ کانفرنس اور بیجنگ

کانفرنس کا مقصد یہی ہے کہ ایشیا کا مشرق اور مغرب دونوں طرف سے گھیراؤ کیا جائے تاکہ یہاں کی عورت کو آزادی دلائی جائے۔ مرد و عورت کی مساوات اور عورتوں کی آزادی (emancipation) کے نام پر ہمارے خاندانی نظام کو اسی طرح برباد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس طرح ان کے ہاں برباد ہو چکا ہے۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنے سالِ نو کے پیغام میں کہا تھا کہ جلد ہی ہماری قوم کی اکثریت ''حرام زادوں'' (born without any wedlock) پر مشتمل ہوگی۔ وہاں اب محض ''one parent family'' رہ گئی ہے۔ ماں کی حیثیت باپ کی بھی ہے اور ماں کی بھی۔ وہاں کے بچے اپنے باپ کو جانتے ہی نہیں۔ اب وہاں ایک مہم زور و شور سے اٹھ رہی ہے کہ ہر انسان کا حق ہے کہ اسے معلوم ہو کہ اس کا باپ کون ہے۔ یہ عظیم تباہی ہے جو مغربی معاشرے پر آ چکی ہے اور ہمارے ہاں بھی لوگ اس معاشرے کی نقالی اختیار کر رہے ہیں اور یہ نظریۂ مساواتِ مرد و زن بہت ہی تابناک اور خوشنما الفاظ کے ساتھ سامنے آ رہا ہے۔

البتہ اس معاملے کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے۔ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں بدقسمتی سے ہم مسلمانوں نے وہ بھی ان کو نہیں دیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں پر ابھی تک ہمارا ہندوانہ پس منظر مسلط ہے اور ہندوؤں کے معاشرے میں عورت کی قطعاً کوئی حیثیت ہی نہیں۔ وراثت کا حق تو بہت دور کی بات ہے' اسے تو اپنے شوہر کی موت کے بعد زندہ رہنے کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔ اسے تو شوہر کی چتا کے ساتھ ہی جل کر ستی ہو جانا چاہیے۔ گویا اس کا تو کوئی قانونی وجود (legal entity) ہے ہی نہیں۔ ہمارے آباء و اَجداد مسلمان تو ہو گئے تھے' لیکن اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کی تربیت نہیں ہو سکی تھی' لہٰذا ہمارے ذہنوں پر وہی ہندوانہ تصورات مسلط ہیں کہ عورت تو مرد کے پاؤں کی جوتی کی طرح ہے۔ یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں کہ ان کے جائز حقوق بھی ان کو نہیں دیتے' اس کے نتیجے میں ہم اپنے اوپر ہونے والی مغربی یلغار کو مؤثر کرنے میں خود مدد دے رہے ہیں۔ اگر ہم اپنی خواتین کو وہ حقوق نہیں دیں گے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ آزادئ نسواں' حقوقِ نسواں اور مساواتِ مرد و زن جیسے خوش نما عنوانات سے جو دعوت اٹھی ہے وہ لازماً انہیں کھینچ کر لے جائے گی۔ لہٰذا اس طرف بھی دھیان رکھیے۔ ہمارے ہاں دین دار گھرانوں میں خاص طور پر عورتوں کے حقوق نظر انداز ہوتے ہیں۔ اس کو سمجھنا چاہیے کہ اسلام

میں عورتوں کے کیا حقوق ہیں اور ان کی کس قدر دلجوئی کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ)) (۱) ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھے ہوں۔ اور جان لو کہ میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں''۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک ہو' ان کی دلجوئی ہو' ان کے احساسات کا بھی پاس کیا جائے۔ البتہ جہاں دین اور شریعت کا معاملہ آ جائے وہاں کسی لچک کی گنجائش نہ ہو' وہاں آپ شمشیر برہنہ ہو جائیں اور صاف صاف کہہ دیں کہ یہ معاملہ دین کا ہے' اس میں مَیں تمہاری کوئی رعایت نہیں کر سکتا' ہاں اپنے معاملات کے اندر میں ضرور نرمی کروں گا۔

اس ساری بحث کو ذہن میں رکھیے۔ ہمارے جدید دانشور اس آیت کے درمیانی الفاظ کو تو لے لیتے ہیں: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور اس سے مساواتِ مَرد و زن کا مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن ان سے پہلے والے الفاظ ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ اور بعد والے الفاظ ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ سے صرفِ نظر کر لیتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل بالکل غلط ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت سے جو خاندانی ادارہ وجود میں آتا ہے' اسلام اس کا سربراہ مرد کو ٹھہراتا ہے۔ یہ فلسفہ زیادہ وضاحت سے سورۃ النساء میں بیان ہو گا جہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ......﴾ (آیت ۳۴)۔ یہاں اس کی تمہید آ گئی ہے تاکہ یہ کڑوی گولی خواتین کے حلق سے ذرا نیچے اترنی شروع ہو جائے۔ اس آیت کا ترجمہ ایک بار پھر دیکھ لیجیے: ''اور ان کے شوہر اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں لوٹا لیں اس عدت کے دوران میں اگر وہ واقعۃً اصلاح چاہتے ہوں۔ اور عورتوں کے لیے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں ہیں دستور کے مطابق۔ اور مردوں کے لیے ان پر ایک درجہ فوقیت کا ہے۔ اور اللہ زبردست ہے' حکیم ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داریاں عورت کے حوالے کی ہیں' جس طرح کے اس پر فرائض عاید کیے ہیں ویسے ہی اس کو حقوق بھی عطا کیے ہیں۔ یہ دنیا کا مسلّمہ اصول ہے کہ حقوق و فرائض باہم ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اگر آپ کی ذمہ داری زیادہ ہے تو حقوق اور اختیارات بھی زیادہ ہوں گے۔ اگر آپ پر ذمہ داری بہت زیادہ ڈال دی جائے لیکن حقوق اور اختیارات اس کی مناسبت سے نہ ہوں تو آپ اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر سکتے۔ جہاں ذمہ داری کم ہو گی وہاں حقوق اور اختیارات بھی کم ہوں گے۔ یہ دونوں

(۱) سنن الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ' باب فضل ازواج النبی۔

چیزیں متناسب (proportionate) چلتی ہیں۔
اب ہم اگلی آیات کا مطالعہ کرتے ہیں:

آیات ۲۲۹ تا ۲۳۱

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۘ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٣١﴾﴾

آیت ۲۲۹ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪﴾ ”طلاق دو مرتبہ ہے۔“
یعنی ایک شوہر کو دو مرتبہ طلاق دے کر رجوع کر لینے کا حق ہے۔ ایک دفعہ طلاق دی اور عدت کے اندر اندر رجوع کر لیا تو ٹھیک ہے۔ پھر طلاق دے دی اور عدت کے اندر اندر رجوع کر لیا تو بھی ٹھیک ہے۔ تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو اب وہ رجوع نہیں کر سکتا۔
﴿فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ﴾ ”پھر یا تو معروف طریقے سے روک لینا ہے یا پھر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے۔“
یعنی دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد اب فیصلہ کرو۔ یا تو اپنی بیوی کو نیکی اور بھلائی کے ساتھ

گھر میں روک لو' تنگ کرنے اور پریشان کرنے کے لیے نہیں' یا پھر بھلے طریقے سے' بھلے مانسوں کی طرح اسے رخصت کر دو۔

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا﴾ ''اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم نے انہیں دیا تھا اس میں سے کچھ بھی واپس لو''

جب تم طلاق دے رہے ہو تو تم نے انہیں جو مہر دیا تھا اس میں سے کچھ واپس نہیں لے سکتے۔ ہاں اگر عورت خود طلاق مانگے تو اسے اپنے مہر میں سے کچھ چھوڑنا پڑ سکتا ہے۔ لیکن جب مرد طلاق دے رہا ہو تو وہ اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا جو وہ اپنی بیوی کو دے چکا ہے۔ سورۃ النساء (آیت ۲۰) میں یہاں تک الفاظ آئے ہیں کہ اگرچہ تم نے سونے کا ڈھیر (قنطار) دے دیا ہو پھر بھی اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

﴿اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''سوائے اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔''

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازدواجی زندگی کے ضمن میں جو اہداف و مقاصد معین فرمائے ہیں' اس کے لیے جو احکام دیے ہیں اور جو آداب بتائے ہیں' فریقین اگر یہ محسوس کریں کہ ہم انہیں ملحوظ نہیں رکھ سکتے تو یہ ایک استثنائی صورت ہے' جس میں عورت کوئی مال یا رقم فدیہ کے طور پر دے کر ایسے شوہر سے خلاصی حاصل کر سکتی ہے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ﴾ ''پس اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدودِ الٰہی پر قائم نہیں رہ سکتے' تو ان دونوں پر اس معاملے میں کوئی گناہ نہیں ہے جو عورت فدیہ میں دے۔''

یعنی ایسی صورت میں عورت اگر فدیہ کے طور پر کچھ دے دلا کر اپنے آپ کو چھڑا لے تو اس میں فریقین پر کوئی گناہ نہیں۔ مثلاً کسی عورت کا مہر دس لاکھ تھا' وہ اس میں سے پانچ لاکھ شوہر کو واپس دے کر اس سے خلع لے لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ﴾ ''یہ اللہ کی حدود ہیں' پس ان سے تجاوز مت کرو۔''

دیکھئے روزے وغیرہ کے ضمن میں حدود اللہ کے ساتھ ﴿فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ فرمایا تھا۔ یہاں

فرمایا: ﴿فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ﴾ اس لیے کہ ان معاملات میں لوگ بڑے دھڑلے سے اللہ کی مقرر کردہ حدود کو پامال کر جاتے ہیں۔ اگرچہ قانون باقی رہ جاتا ہے مگر اس کی روح ختم ہو جاتی ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں سو وہی ظالم ہیں۔''

آیت ۲۳۰ ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ﴾ ''پھر اگر وہ (تیسری مرتبہ) اسے طلاق دے دے تو وہ عورت اس کے بعد اس کے لیے جائز نہیں ہے' جب تک کہ وہ عورت کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے''۔

تیسری طلاق دے چکنے کے بعد اگر کوئی شخص پھر اسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو جب تک وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اور وہ اسے طلاق نہ دے اس وقت تک یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ اسے ''حلالہ'' کہا جاتا ہے۔ لیکن ''حلالہ'' کے نام سے ہمارے ہاں جو مکروہ دھندا مروّج ہے کہ ایک معاہدے کے تحت عورت کا نکاح کسی مرد سے کیا جاتا ہے کہ تم پھر اسے طلاق دے دینا' اس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا﴾ ''پس اگر وہ اس کو طلاق دے دے''

یعنی وہ عورت دوسری جگہ پر شادی کر لے' لیکن دوسرے شوہر سے بھی اس کی نہ بنے اور وہ بھی اس کو طلاق دے دے۔

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ﴾ ''تو اب کوئی گناہ نہیں ہوگا ان دونوں پر کہ وہ مراجعت کر لیں''

اب وہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد عورت کو شاید عقل آ جائے کہ زیادتی میری ہی تھی کہ پہلے شوہر کے ہاں بس نہیں سکی۔ اب دوسری مرتبہ تجربہ ہونے پر ممکن ہے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ اب اگر وہ دوبارہ اپنے سابقہ شوہر کی طرف رجوع کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے کہ وہ پھر سے نکاح کر لیں۔

﴿اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اگر ان کو یہ یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کی پاسداری کر سکیں گے۔''

ازدواجی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے جو حدود مقرر کی ہیں اور جو احکام دیے ہیں ان کو

بہرحال مدنظر رکھنا ہے اور تمام معاملات پر فائق رکھنا ہے۔

﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں' جن کو وہ واضح کر رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم حاصل کرنا چاہیں۔''

يَعْلَمُوْنَ کا ترجمہ ہے ''جو جانتے ہیں'' یعنی جنہیں علم حاصل ہے' لیکن یہاں اس کا مفہوم ہے ''جو علم کے طالب ہیں''۔ بعض اوقات فعل کو طلب فعل کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

آیت ۲۳۱ ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ ''اور جب تم لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دو اور پھر وہ اپنی عدت پوری کر لیں''

﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ ''تو یا تو معروف طریقے سے انہیں روک لو یا اچھے انداز سے انہیں رخصت کر دو۔''

﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا﴾ ''اور تم انہیں مت روکو نقصان پہنچانے کے ارادے سے کہ تم حدود سے تجاوز کرو۔''

دیکھو ایسا مت کرو کہ تم انہیں تنگ کرنے کے لیے روک لو کہ میں اس کی ذرا اور خبر لے لوں' اگر طلاق ہو جائے گی تو یہ آزاد ہو جائے گی۔ غصہ اتنا چڑھا ہوا ہے کہ ابھی بھی ٹھنڈا نہیں ہو رہا اور وہ اس لیے رجوع کر رہا ہے تاکہ عورت کو مزید پریشان کرے' اسے اور تکلیفیں پہنچائے۔ اس طرح تو اس نے قانون کا مذاق اڑایا اور اللہ کی دی ہوئی اس اجازت کا ناجائز استعمال کیا۔

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ ''اور جو کوئی بھی یہ کام کرے گا وہ اپنی ہی جان پر ظلم ڈھائے گا۔''

﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ ''اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بنالو۔''

ضروری ہے کہ احکامِ شریعت پر ان کی روح کے مطابق عمل کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں خاص طور پر ازدواجی زندگی کے ضمن میں بار بار اللہ کے خوف اور تقویٰ کی تاکید کی گئی ہے۔ اگر تمہارے دل اس سے خالی ہوں گے تو تم اللہ کی شریعت کو کھیل تماشا بنا دو گے' ٹھٹھا اور مذاق بنا دو گے۔

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ''اور یاد کرو اللہ کے جو انعامات تم پر ہوئے ہیں''

﴿وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ﴾ ''اور جو اُس نے نازل فرمائی تم پر اپنی کتاب اور حکمت۔''

﴿يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ ''وہ اس کے ذریعے سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم نعمتیں پانے کے بعد بھی اگر تم نے اس کی حدود کو توڑا اور اس کی شریعت کو مذاق بنایا تو پھر تمہیں اس کی گرفت سے ڈرنا چاہیے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو''

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٣١﴾﴾ ''اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا حقیقی علم حاصل ہے۔''

رمضان المبارک کا خصوصی تحفہ

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

بانی تنظیم اسلامی اور صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد

کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے —— دوست احباب کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص: 30 روپے اشاعت عام: 15 روپے

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۲۸۲

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ ط
وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ م بِالْعَدْلِ ص وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَہُ
اللّٰہُ فَلْیَکْتُبْ ج وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْہُ
شَیْئًا ط فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ سَفِیْھًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ
ھُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّہٗ بِالْعَدْلِ ط وَاسْتَشْھِدُوْا شَھِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ ج فَاِنْ لَّمْ
یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّھَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ
اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی ط وَلَا یَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ط وَلَا
تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْہُ صَغِیْرًا اَوْ کَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِہٖ ط ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ
وَاَقْوَمُ لِلشَّھَادَۃِ وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً تُدِیْرُوْنَھَا
بَیْنَکُمْ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَکْتُبُوْھَا ط وَاَشْھِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ ص وَلَا
یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَھِیْدٌ ط وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّہٗ فُسُوْقٌ م بِکُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

ء ج ل

اَجِلَ (س) اَجَلًا : کسی مشکل میں یا کسی چیز میں مبتلا ہونا۔

اَجَلٌ (اسم ذات بھی ہے): (۱) مدت (ابتلاء کے جاری رہنے کی)۔ (۲) وقت (ابتلاء کے خاتمے کا)۔ ﴿لَوْ لَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ﴾ (النساء:۷۷) ''کیوں نہ تو نے مؤخر کیا ہمیں کچھ مدت تک؟'' ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ (الاعراف:۳۴) ''اور ہر ایک اُمت کے لیے ایک وقت ہے (یعنی خاتمے کا)۔''

اَجْلٌ: سبب' وجہ۔ ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ﴾ (المائدۃ:۳۲) ''اس وجہ سے۔''

اَجَّلَ (تفعیل) تَاْجِيْلًا : وقت مقرر کرنا۔ ﴿وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ﴾ (الانعام:۱۲۸) ''اور ہم پہنچے اپنی اُس مدت کو جس کا تو نے وقت مقرر کیا ہمارے لیے۔''

مُؤَجَّلٌ (اسم المفعول): مقرر کیا ہوا وقت۔ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ﴾ (آل عمران:۱۴۵) ''اور نہیں ہے کسی جان کے لیے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے ایک لکھے ہوئے مقرر کردہ وقت پر۔''

ب خ س

بَخَسَ (ف) بَخْسًا : حق سے کم دینا' گھٹانا۔ ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ (الاعراف:۸۵) ''اور تم لوگ حق سے کم نہ دو لوگوں کو اُن کی چیزیں۔''

س ء م

سَئِمَ (س) سَئَمًا : کسی چیز یا کام سے اُکتا جانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ق س ط

قَسَطَ (ض) قَسْطًا : حق کے خلاف کرنا' ظلم کرنا۔

قَاسِطٌ (اسم الفاعل) : حق کے خلاف کرنے والا۔ ﴿وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾﴾ (الجن) ''اور جو حق کے خلاف کرنے والے ہیں تو وہ لوگ جہنم کے لیے ہیں بطور ایندھن۔''

قَسَطَ (ن) قِسْطًا : حق کے مطابق ہونا' انصاف ہونا۔

قِسْطٌ (اسم ذات بھی ہے): حق' انصاف۔ ﴿وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ﴾ (آل عمران:۲۱) ''اور وہ لوگ قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو ترغیب دیتے ہیں انصاف کی۔''

اَقۡسَطُ (افعل التفضیل) : زیادہ انصاف والا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

اَقۡسَطَ (افعال) اِقۡسَاطًا : حق کے مطابق کرنا' انصاف کرنا۔ ﴿اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ ؕ﴾ (المُمتحنة:۸) ''کہ تم لوگ نیکی کرو اُن سے اور تم لوگ انصاف کرو ان کے ساتھ۔''

اَقۡسِطۡ (فعل امر) : تو انصاف کر۔ ﴿فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ﴾ (الحُجرٰت:۹) ''تو تم لوگ صلح کراؤ ان دونوں کے درمیان انصاف سے اور تم لوگ حق کے مطابق کرو۔''

مُقۡسِطٌ (اسم الفاعل) : حق کے مطابق کرنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿﴾﴾ (المائدۃ) ''بے شک اللہ پسند کرتا ہے حق کے مطابق کرنے والوں کو۔''

ترکیب : ''وَلۡیَکۡتُبۡ'' کا فاعل ''کَاتِبٌ'' ہے۔ ''لَا یَاۡبَ'' میں ''یَاۡبَ'' دراصل ''یَاۡبٰی'' تھا جسے لائے نہی نے مجزوم کیا تو ''ی'' گر گئی اور ''لَا یَاۡبَ'' ہو گیا۔ ''وَلۡیُمۡلِلۡ'' کو آگے ملانے کے لیے کسرہ دی گئی ہے' اس لیے یہ ''وَلۡیُمۡلِلِ'' ہو گیا ہے۔ اور یہ فعل امر غائب ہے۔ ''اَللّٰهَ'' کا بدل ہونے کی وجہ سے ''رَبَّهٗ'' منصوب ہے۔ ''مِنۡهُ'' کی ضمیر ''اَلۡحَقُّ'' کے لیے ہے۔ ''سَفِیۡهًا اَوۡ ضَعِیۡفًا''، ''کَانَ'' کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ ''اَنۡ یُّمِلَّ'' میں ضمیر فاعلی ''هُوَ'' از خود موجود ہے' لیکن یہاں تاکید کے لیے اسے ظاہر کیا گیا ہے۔

''یَکُوۡنَا'' دراصل ''یَکُوۡنَانِ'' تھا جس کا نونِ اعرابی ''لَمۡ'' کی وجہ سے گرا ہوا ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل ''هُمَا'' کی ضمیر ہے جو ''شَهِیۡدَیۡنِ'' کے لیے ہے' جبکہ ''رَجُلَیۡنِ'' اس کی خبر ہے۔ ''مِنَ الشُّهَدَآءِ'' میں لفظ ''اَلشُّهَدَآءِ'' اپنے لغوی مفہوم میں آیا ہے۔ ''تَضِلَّ'' کا فاعل ''اِحۡدٰىهُمَا'' ہے۔ ''اَنۡ'' پر عطف ہونے کی وجہ سے ''فَتُذَکِّرَ'' منصوب ہوا ہے۔ اس کا فاعل ''اَلۡاُخۡرٰی'' کو اور مفعول ''اِحۡدٰىهُمَا'' کو مانا جائے گا۔ ''اِذَا'' میں غیر معین مدت کا مفہوم ہوتا ہے۔ اسے مزید غیر معین کرنے کے لیے ''مَا'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ''اَنۡ تَکۡتُبُوۡهُ'' میں ضمیر مفعولی حق یا ''بِدَیۡنٍ'' کے لیے ہے اور ''صَغِیۡرًا اَوۡ کَبِیۡرًا'' اس کا حال ہے۔ ''اَلَّا تَکۡتُبُوۡهَا'' کی ضمیر مفعولی ''تِجَارَۃً حَاضِرَۃً'' کے لیے ہے۔ ''یُضَآرَّ'' کو مضارع معروف اور مجہول' دونوں ماننا ممکن ہے' لیکن آگے ''وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا'' آیا ہے اس لیے یہ مضارع مجہول ہے۔

ترجمہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ : اے لوگو! جو
اٰمَنُوْۤا : ایمان لائے
اِذَا : جب بھی
تَدَايَنْتُمْ : تم لوگ باہم لین دین کرو
بِدَيْنٍ : کسی اُدھار کا
اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى : ایک معین وقت تک کے لیے
فَاكْتُبُوْهُ : تو تم لوگ لکھواُس کو
وَلْيَكْتُبْ : اور چاہیے کہ لکھے
بَّيْنَكُمْ : تمہارے مابین
كَاتِبٌ : ایک لکھنے والا
بِالْعَدْلِ : انصاف سے
وَلَا يَاْبَ : اور انکار نہ کرے
كَاتِبٌ : کوئی لکھنے والا
اَنْ يَّكْتُبَ : کہ وہ لکھے
كَمَا : اس طرح جیسے
عَلَّمَهُ : سکھایا اس کو
اللّٰهُ : اللہ نے
فَلْيَكْتُبْ : پس چاہیے کہ وہ لکھے
وَلْيُمْلِلِ : اور چاہیے کہ املاء کرائے
الَّذِىْ عَلَيْهِ : وہ جس پر
الْحَقُّ : حق ہے (یعنی مقروض)
وَلْيَتَّقِ : اور چاہیے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے
اللّٰهَ : اللہ کا
رَبَّهٗ : جو اُس کا پالنے والا ہے
وَلَا يَبْخَسْ : اور وہ نہ گھٹائے
مِنْهُ : اس سے
شَيْئًا : کوئی چیز
فَاِنْ : پھر اگر
كَانَ : ہو
الَّذِىْ عَلَيْهِ : وہ جس پر
الْحَقُّ : حق ہے
سَفِيْهًا : کچھ ناسمجھ
اَوْ ضَعِيْفًا : یا کچھ کمزور
اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ : یا وہ صلاحیت نہیں رکھتا
اَنْ يُّمِلَّ : کہ املاء کرائے
هُوَ : وہ خود
فَلْيُمْلِلْ : تو چاہیے کہ املاء کرائے
وَلِيُّهٗ : اس کا سرپرست
بِالْعَدْلِ : انصاف سے
وَاسْتَشْهِدُوْا : اور تم لوگ گواہی کے لیے کہو
شَهِيْدَيْنِ : دو گواہوں سے
مِنْ رِّجَالِكُمْ : اپنے مردوں میں سے

فَاِنْ : پھر اگر

رَجُلَيْنِ : دو مرد

وَّامْرَاَتٰنِ : اور کوئی دو عورتیں

تَرْضَوْنَ : تم لوگ راضی ہو

اَنْ : (اس لیے) کہ

اِحْدٰىهُمَا : دونوں کی ایک

اِحْدٰىهُمَا : دونوں کی ایک کو

وَلَا يَاْبَ : اور انکار نہ کریں

اِذَا مَا : جب کبھی بھی

وَلَا تَسْئَمُوْٓا : اور تم لوگ مت اُکتاؤ

تَكْتُبُوْهُ : تم لوگ لکھو اس کو

اَوْ : یا

اِلٰٓى اَجَلِهٖ : اپنی مدت تک (کے لحاظ سے)

اَقْسَطُ : زیادہ حق کے مطابق ہے

وَاَقْوَمُ : اور زیادہ نگران ہے

وَاَدْنٰٓى : اور زیادہ قریب ہے

اِلَّآ اَنْ : سوائے اس کے کہ

تِجَارَةً حَاضِرَةً : کوئی ایسا حاضر سودا

بَيْنَكُمْ : اپنے مابین

عَلَيْكُمْ : تم لوگوں پر

اَلَّا تَكْتُبُوْهَا : کہ نہ لکھو اس کو

اِذَا : جب بھی

وَلَا يُضَآرَّ : اور تکلیف نہ دی جائے

وَّلَا شَهِيْدٌ : اور نہ گواہ کو

لَّمْ يَكُوْنَا : نہ ہوں

فَرَجُلٌ : تو ایک مرد

مِمَّنْ : ان میں سے جن سے

مِنَ الشُّهَدَآءِ : موقع پر موجود میں سے

تَضِلَّ : بھٹک (یعنی بھول) جائے

فَتُذَكِّرَ : تو یاد دلائے

الْاُخْرٰى : دوسری

الشُّهَدَآءُ : گواہ

دُعُوْا : وہ لوگ بلائے جائیں

اَنْ : کہ

صَغِيْرًا : (خواہ) چھوٹا ہو

كَبِيْرًا : بڑا

ذٰلِكُمْ : یہ

عِنْدَ اللّٰهِ : اللہ کے نزدیک

لِلشَّهَادَةِ : گواہی کے لیے

اَلَّا تَرْتَابُوْٓا : کہ تم لوگ شبہ میں نہ پڑو

تَكُوْنَ : وہ ہو

تُدِيْرُوْنَهَا : تم لوگ گھماتے ہو جس کو

فَلَيْسَ : تو نہیں ہے

جُنَاحٌ : کوئی گناہ

وَاَشْهِدُوْٓا : اور تم لوگ گواہ بناؤ

تَبَايَعْتُمْ : باہم خرید و فروخت کرو

كَاتِبٌ : لکھنے والے کو

وَاِنْ تَفْعَلُوْا : اور اگر تم لوگ (یہ) کرو گے

فَاِنَّهٗ : تو یقیناً یہ	فُسُوْقٌ : نافرمانی ہے
بِکُمْ : تم لوگوں کی	وَاتَّقُوا : اور تم لوگ تقویٰ اختیار کرو
اللّٰهَ : اللہ کا	وَیُعَلِّمُکُمْ : اور سکھاتا ہے تم لوگوں کو
اللّٰهُ : اللہ	وَاللّٰهُ : اور اللہ
بِکُلِّ شَیْءٍ : ہر ایک چیز کو	عَلِیْمٌ : جاننے والا ہے

نوٹ (۱) : سود کی ممانعت کے بعد اب اس آیت میں ادھار کے بیع و شراء کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ مدینہ والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو' بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو''۔ (بخاری شریف' منقول از ابن کثیر)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ (ابنِ کثیر)

نوٹ (۲) : عربی کے جملہ فعلیہ میں عام طور پر فعل کے بعد فاعل اور اس کے بعد مفعول آتا ہے۔ لیکن اس ترتیب کو ہمیشہ قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ چند صورتیں ایسی ہیں جب فاعل کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ:

(۱) جب فاعل اور مفعول دونوں مبنی کی طرح ہوں' یعنی ان کی اعرابی حالت ظاہر نہ ہو۔

(۲) جب دونوں الفاظ میں فاعل اور مفعول بننے کی صلاحیت موجود ہو۔

(۳) جب ان دونوں میں امتیاز کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ مثلاً اگر ہم اَکْرَمَ زَیْدٌ حَامِدًا کے بجائے اَکْرَمَ حَامِدًا زَیْدٌ کہیں' تب بھی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا' کیونکہ ہم زید اور حامد کی اعرابی حالت سے فاعل اور مفعول کا تعین کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر اَکْرَمَ یَحْیٰی عِیْسٰی کہیں تو اب یَحْیٰی کو فاعل اور عِیْسٰی کو مفعول ماننا لازمی ہے۔ لیکن اگر ہم اَکَلَ یَحْیٰی کُمَّثْرٰی (یحییٰ نے امرود کھایا) کے بجائے اَکَلَ کُمَّثْرٰی یَحْیٰی کہیں تو بھی درست ہو گا اور دونوں جملوں میں یَحْیٰی کو ہی فاعل مانا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ کُمَّثْرٰی (امرود) میں اَکَلَ کا فاعل بننے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں فَتُذَکِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی آیا ہے۔ اس میں اِحْدٰی اور اُخْرٰی دونوں مبنی کی طرح ہیں اور دونوں میں فاعل اور مفعول بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ البتہ ان میں امتیاز کرنے کا ایک قرینہ موجود ہے۔ اس سے پہلے اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا میں اِحْدٰی کے

بھولنے کی بات ہو چکی ہے' اس لیے اب فَتُذَكِّرَ کا فاعل اَلْاُخْرٰی کو اور مفعول اِحْدٰىهُمَا کو مانا جائے گا۔

آیت ۲۸۳

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾﴾

ر ھ ن

رَهَنَ (ف) رَهْنًا : کسی بات کی ضمانت لینا' گروی رکھنا۔

رِهْنٌ ج رِهَانٌ (اسم ذات) : ضمانت' رہن۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَهِيْنٌ (فَعِيْلٌ کا وزن) اسم المفعول کے معنی میں ہے: گروی رکھا ہوا۔ ﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾﴾ (الطور) ''ہر شخص' بسبب اس کے جو اُس نے کمایا' گروی رکھا ہوا ہے۔''

ترکیب :''فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ'' مرکب توصیفی ہے اور مبتدأ نکرہ ہے' اس کی خبر محذوف ہے۔ دوسرا امکان یہ بھی ہے کہ ''فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ'' کو خبر مان کر اس کے مبتدأ کو محذوف مانا جائے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ''اَمِنَ'' کا فاعل ''بَعْضُكُمْ'' ہے اور ''بَعْضًا'' اس کا مفعول ہے۔ ''اؤْتُمِنَ'' دراصل مادہ ''ء م ن'' کا بابِ افتعال میں ماضی مجہول ''اُؤْتُمِنَ'' تھا۔ ماقبل سے ملانے کے لیے افتعال کا ہمزۃ الوصل صامت (silent) ہے تو فاء کلمہ کا ہمزہ واپس آ گیا۔ اب واؤ دراصل ہمزہ کو لکھنے کی کرسی ہے جس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ ''اَمَانَتَهٗ'' کی ضمیر ''بَعْضُكُمْ'' کے لیے ہے۔

ترجمہ:

وَاِنْ : اور اگر

كُنْتُمْ : تم لوگ ہو

عَلٰى سَفَرٍ : کسی سفر پر

وَّلَمْ تَجِدُوْا : اور تم لوگ نہ پاؤ

كَاتِبًا : کوئی لکھنے والا

فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ : تو قبضہ میں لیا ہوا رہن (لینا) ہے

فَاِنْ : پھر اگر	اَمِنَ : بھروسہ کرے
بَعْضُكُمْ : تم میں کا کوئی	بَعْضًا : کسی پر
فَلْيُؤَدِّ : تو چاہیے کہ واپس کرے	الَّذِی : وہ جس کو
اؤْتُمِنَ : امین بنایا گیا	اَمَانَتَهٗ : اس کی امانت کو
وَلْيَتَّقِ : اور اسے چاہیے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے	اللّٰهَ : اللہ کا
رَبَّهٗ : جو اُس کا پالنے والا ہے	وَلَا تَكْتُمُوا : اور تم لوگ مت چھپاؤ
الشَّهَادَةَ : گواہی کو	وَمَنْ يَّكْتُمْهَا : اور جو چھپاتا ہے اس کو
فَاِنَّهٗ : تو یقیناً وہ ہے	اٰثِمٌ قَلْبُهٗ : جس کا دل گناہ کرنے والا ہے
وَاللّٰهُ : اور اللہ	بِمَا : اس کو جو
تَعْمَلُوْنَ : تم لوگ کرتے ہو	عَلِيْمٌ : جاننے والا ہے

آیت ۲۸۴

﴿ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

ترکیب: ''مَا'' مبتدأ ہے' اس کی خبر ''مَوْجُوْدٌ'' محذوف ہے اور ''فِی السَّمٰوٰتِ'' قائم مقام خبر ہے۔ اسی طرح ''مَا فِی الْاَرْضِ'' ہے۔ یہ دونوں جملے مبتدأ مؤخر ہیں' ان کی خبر ''مُلْكٌ'' محذوف ہے اور ان کی قائم مقام خبر ''لِلّٰهِ'' مقدم ہے۔ ''يُحَاسِبْكُمْ'' جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور اس کا فاعل ''اَللّٰهُ'' ہے۔

ترجمہ:

لِلّٰهِ : اللہ کی ہی (ملکیت) ہے	مَا : وہ جو
فِی السَّمٰوٰتِ : آسمانوں میں ہے	وَمَا : اور وہ جو
فِی الْاَرْضِ : زمین میں ہے	وَاِنْ : اور اگر
تُبْدُوْا : تم لوگ ظاہر کرو	مَا : اس کو جو

فِیْ اَنْفُسِکُمْ : تمہارے جی میں ہے	اَوْ : یا
تُخْفُوْہُ : تم لوگ چھپاؤ اس کو	یُحَاسِبْکُمْ : حساب لے گا تم لوگوں سے
بِہٖ : اس کا	اللّٰہُ : اللہ
فَیَغْفِرُ : پھر وہ معاف کرے گا	لِمَنْ : اس کو جسے
یَّشَآءُ : وہ چاہے گا	وَیُعَذِّبُ : اور وہ عذاب دے گا
مَنْ : اس کو جس کو	یَّشَآءُ : وہ چاہے گا
وَاللّٰہُ : اور اللہ	عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ : ہر چیز پر
قَدِیْرٌ : قدرت رکھنے والا ہے	

آیت ۲۸۵

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۤ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۲۸۵﴾

ترکیب : ''اٰمَنَ'' کے فاعل ''اَلرَّسُوْلُ'' اور ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ'' ہیں۔ ''اَلرَّسُوْلُ'' پر لامِ تعریف ہے۔ ''لَا نُفَرِّقُ'' سے پہلے ''وَیَقُوْلُوْنَ'' محذوف ہے' جبکہ ''غُفْرَانَکَ'' سے پہلے ''نَسْئَلُ'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

اٰمَنَ : ایمان لائے	الرَّسُوْلُ : یہ رسولؐ
بِمَآ : اس پر جو	اُنْزِلَ : نازل کیا گیا
اِلَیْہِ : انؐ کی طرف	مِنْ رَّبِّہٖ : انؐ کے ربؐ (کی جانب) سے
وَالْمُؤْمِنُوْنَ : اور ایمان لانے والے	کُلٌّ : سب
اٰمَنَ : ایمان لائے	بِاللّٰہِ : اللہ پر
وَمَلٰٓئِکَتِہٖ : اور اس کے فرشتوں پر	وَکُتُبِہٖ : اور اس کی کتابوں پر
وَرُسُلِہٖ : اور اس کے رسولوں پر	لَا نُفَرِّقُ : (وہ لوگ کہتے ہیں کہ) ہم فرق نہیں کرتے

بَيْنَ اَحَدٍ : کسی ایک کے مابین
مِّنْ رُّسُلِهٖ : اس کے رسولوں میں سے
وَقَالُوْا : اور ان لوگوں نے کہا
سَمِعْنَا : ہم نے سنا
وَاَطَعْنَا : اور ہم نے اطاعت کی
غُفْرَانَكَ : (ہم مانگتے ہیں) تیری مغفرت
رَبَّنَا : اے ہمارے ربّ
وَاِلَيْكَ : اور تیری طرف ہی
الْمَصِيْرُ : لوٹنا ہے

آیت ۲۸۶

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

ء ص ر

اَصَرَ (ض) اَصْرًا : کسی چیز میں گرہ لگانا۔

اِصْرًا (اسم ذات) : (۱) عہد و پیمان (۲) ذمہ داری، بوجھ۔ ﴿قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ۭ﴾ (آل عمران: ۸۱) ''اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) کہا کیا تم لوگوں نے اقرار کیا اور تم لوگوں نے پکڑا (یعنی قبول کیا) اس پر میرے عہد کو؟''

ترجمہ:

لَا يُكَلِّفُ : ذمہ دار نہیں بناتا
اللّٰهُ : اللہ
نَفْسًا : کسی جان کو
اِلَّا : مگر
وُسْعَهَا : اس کی اہلیت کو
لَهَا : اس کے لیے ہے
مَا : وہ (ثواب) جو
كَسَبَتْ : اس نے کمایا
وَعَلَيْهَا : اور اس پر ہے
مَا : وہ (گناہ) جو
اكْتَسَبَتْ : اس نے اہتمام سے کمایا
رَبَّنَا : اے ہمارے ربّ

(باقی صفحہ 60 پر)

نبی اکرم ﷺ کی تین وصیتیں

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نبی اکرم ﷺ نے اپنی اُمت کو مختلف مواقع پر مختلف وصیتیں کی ہیں۔ ذیل میں ایک حدیث کی رو سے آپ ﷺ کی تین نہایت اہم وصیتیں بیان کی جا رہی ہیں:

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ : ((اَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلَاۃً مَكْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا ، فَمَنْ تَرَكَھَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ الذِّمَّۃُ ، وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ)) (۱)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل و محبوب ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ: ''اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دیے جائیں اور تمہیں آگ میں بھون دیا جائے' اور خبردار! کبھی بالارادہ فرض نماز نہ چھوڑنا' کیونکہ جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً فرض نماز چھوڑ دی تو اس کے بارے میں ذمہ داری ختم ہوگئی (جو اللہ کی طرف سے اس کے وفادار اور صاحب ایمان بندوں کے لیے ہے)' اور خبردار! شراب کبھی نہ پینا' کیونکہ یہ ہر برائی کی کُنجی ہے''۔

حدیث کے راوی حضرت ابوالدرداء عویمر انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو اپنا خلیل کہہ کر کس قدر محبت اور پیار کے تعلق کا اظہار کر رہے ہیں! یہ وہی ابوالدرداء ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے معرکۂ اُحد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے دیکھا تو تعریف کی اور فرمایا کہ عویمر کس قدر اچھے سوار ہیں! ابوالدرداءؓ جنگ بدر کے بعد پورے شرحِ صدر کے ساتھ اسلام لائے' پھر اپنے وقت کا بیشتر حصہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزارتے رہے۔

اس حدیث میں آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک نصیحت کے الفاظ بیان کیے ہیں جن میں آپ ﷺ نے تین باتوں سے رکنے کی تاکید کی ہے۔ پہلی بات آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ

(۱) سنن ابن ماجہ' کتاب الفتن' باب الصبر علی البلاء۔

شرک نہ کرنا خواہ تمہارا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا آگ میں جلا ڈالا جائے۔ شرک بدترین گناہ ہے۔ یہ خالق کائنات کی اتھارٹی کو چیلنج ہے۔ یہ واحد گناہ ہے جس کے مرتکب کی قیامت کے دن نجات نہیں۔ قرآن مجید میں اس کو کئی جگہ پر ناقابلِ بخشش گناہ قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشادِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ (آیت ۷۲) ''بے شک جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے''۔ پس ہر مسلمان کی اوّلین ذمہ داری ہے کہ وہ شرک سے دُور رہے' مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں شریک نہ کرے۔ اللہ کی ہر صفت لامحدود ہے۔ وہ مخلوق کے کسی فرد کو لامحدود صفات کے ساتھ متصف نہ کرے' ہر قسم کے مراسم عبودیت اُسی کے لیے خاص کرے' اسی کا تقویٰ اختیار کرے اور اسی پر توکل کرے۔ اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کے کسی فرد کی اطاعت نہ کرے۔ اُسی کی عبادت کرے اور اسی سے مدد چاہے۔

دوسری نصیحت رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو یہ فرمائی کہ فرض نماز عمداً کبھی نہ چھوڑنا' کیونکہ جس نے دیدہ و دانستہ فرض نماز چھوڑی وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری سے نکل گیا۔ نماز مؤمن کی نشانی اور علامت ہے۔ گویا مسلمان نماز کی ادائیگی سے پہچانا جاتا ہے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ اصحابِ رسولؐ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ (مشکوٰۃ' کتاب الصلوٰۃ) پنج گانہ نماز کی پابندی گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔ قرآن مجید کے مطابق نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے بچاتی ہے۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تلقین کریں اور خود بھی اس کی پابندی کریں: ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طٰہٰ:۱۳۲) ''اور (اے نبیؐ!) حکم دیں اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی اس پر قائم رہیں''۔ نماز کا چھوڑنا آدمی کو شرک کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾﴾ (الروم) ''اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں شامل نہ ہو جاؤ''۔

سورۃ المدثر میں ہے کہ جنت والے دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ کون سی چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی؟ وہ جواب میں پہلا سبب یہ بیان کریں گے کہ: ﴿لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے''۔ نماز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی

آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ))(۱) ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے''۔ گویا نماز رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ عمل ہے۔ چنانچہ ہر سچا اُمتی بھی نماز کو محبوب رکھے گا اور اس کی پابندی کرے گا۔ آپؐ نے خود ساری زندگی نماز کی پابندی کی ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ))(۲)

''ہمارے اور اِن (منافقوں) کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے' پس جس نے نماز کو چھوڑ دیا وہ کافر ہوگیا''۔

الغرض نماز کو چھوڑنے سے انسان اپنے خالق کا باغی اور نافرمان قرار پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو نماز کی تاکید کی' اور فرمایا کہ نماز نہ پڑھنے سے انسان اللہ کی ذمہ داری سے نکل جاتا ہے۔ تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پناہ نہ ملی اُس کو اور کون سا سہارا مل سکتا ہے؟

تیسری نصیحت جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوالدرداءؓ کو فرمائی وہ یہ ہے کہ کبھی شراب نہ پینا' کیونکہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ شراب کو اُمّ الخبائث بھی کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی حرمت ان الفاظ میں آئی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اے اہل ایمان! یقیناً شراب' اور جوا' اور بت اور جوئے کے تیر یہ سب گندے کام شیطان کے ہیں۔ سو تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

شراب نوشی صرف ایک گناہ نہیں ہے' بلکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے شراب کی برائی کو واضح فرماتے ہوئے اس سے متعلق تمام لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً: عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ إِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِيَ لَهَا

(۱) سنن النسائی' کتاب عشرۃ النساء' باب حب النساء۔
(۲) سنن الترمذی' کتاب الایمان عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی ترک الصلاۃ۔

وَالْمُشْتَرَاهُ لَهٗ (۱)

''رسول اللہ ﷺ نے شراب کے معاملہ میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے: (۱) شراب کشید کرنے والا (۲) شراب کشید کرانے والا (۳) شراب پینے والا (۴) شراب اٹھانے والا (۵) شراب اٹھوانے والا (۶) شراب پلانے والا (۷) شراب بیچنے والا (۸) شراب کی قیمت کھانے والا (۹) شراب خریدنے والا (۱۰) جس کے لیے شراب خریدی گئی ہو''۔

بنیادی طور پر شراب نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور نشہ انسان کے حواس کو مختل کر کے اسے انسانیت سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آتا ہے جس سے اس میں اچھائی اور برائی میں تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے صرف شراب ہی نہیں بلکہ ہر نشہ آور چیز اسلام میں حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ)) (۲)

''جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے شراب کے عادی کو بُت پرست کی مانند شمار کیا ہے۔ حضرت طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے شراب نوشی کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے انہیں شراب سے منع فرمایا۔ اس پر سائل نے کہا کہ ہم تو شراب کو دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

((اِنَّهٗ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهٗ دَاءٌ)) (۳)

''یہ دوا نہیں' بلکہ (خود ایک) بیماری ہے''۔

شراب کی حرمت میں رسول اللہ ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں نہ تو وہ شخص داخل ہوگا جو والدین کی نافرمانی کرتا ہے' نہ جواری' نہ فقراء کو صدقہ دے کر جتانے والا اور نہ شراب پینے والا''۔ (سنن دارمی' بحوالہ ریاض المسلمین' ص ۸۰۸)

الغرض اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے شرک سے انتہائی زوردار الفاظ میں روکا ہے' کیونکہ شرک ناقابل بخشش گناہ ہے۔ پھر آپؐ نے نماز کی تاکید کی ہے کہ نماز مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرتی ہے۔ پھر آپؐ نے شراب پینے سے منع کیا ہے کہ یہ بہت سی برائیوں کا سبب بنتی ہے۔

(۱) سنن الترمذی' کتاب البیوع عن رسول اللہ ﷺ باب النھی ان یتخذ الخمر خلا۔

(۲) سنن الترمذی' کتاب الاشربۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب تحریم التداوی بالخمر۔

تالمود کا تعارف

مدثر حسین سیان ☆

لغوی تشریح

''تلموذ'' عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ یہ مصدر ''لَمذْ'' سے بنا ہے۔ اس کے لغوی معنی سکھانا' تعلیم دینا اور تعلیم پانا کے ہیں۔ اس سے ''لَمَذَ'' فعل بنتا ہے۔ اسی سے عربی میں ''تَلَمَّذَ عَلَیْہِ'' اور ''تِلْمِیْذٌ'' مستعمل ہے۔ یہ لفظ عربی سے عبرانی زبان میں آیا ہے یا عبرانی سے عربی میں آیا ہے' اس کا فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ عبرانی زبان عربی سے زیادہ قدیم نہیں ہے اور عبرانی میں تلمذ اور تلمیذ کا لفظ نیا نہیں ہے' بڑی دیر سے استعمال ہو رہا ہے۔ عبرانی میں ''ذال'' کی آواز تو ہے لیکن کوئی حرف اس کے لیے نہیں ہے اور حرف ''ذال'' نہ ہونے کی وجہ سے ممکن ہے یہ مادہ ''دال'' سے لکھا گیا ہو۔

۵۵۲ء میں تورات اور دوسری عبرانی کتب کو لاطینی حروف میں لکھنے کی اجازت ملی تو تلمود کو لاطینی حروف میں ''Talmud'' لکھا گیا اور لاطینی حروف میں حرف ''ت'' کا فتحہ ظاہر کرنے کے لیے حرف ''A'' کا استعمال ضروری تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تلمود کو ''تالموذ'' پڑھا گیا اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس کتاب کے نام ''تلموذ'' اور ''تالموذ'' دونوں بولے اور لکھے جانے لگے۔

اصطلاحی تشریح

یہودیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور اُن کی اولاد کے اقوال جمع کیے' اس کا نام ''مشنہ'' رکھا اور بعد میں اس کی تشریح و توضیح میں ''جمارا'' یا ''گیمارا'' نامی حصے کا اضافہ کیا۔ ان دونوں حصوں کے مقدس مجموعے یعنی کتاب کو ''تالموذ'' کہتے ہیں۔

☆ لیکچرر گورنمنٹ ڈگری کالج' پنڈی گھیپ

تالمود کی تدریس وترتیب

یہودی عقیدہ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دو قسم کی وحی نازل ہوئی: (i) تورۃ سکتب' یعنی وحیٔ مکتوبی۔(ii) تورۃ شبعلفہ' یعنی وحیٔ لسانی۔

وحیٔ لسانی وہ تھی جو حضرت ہارونؑ اور اُن کی اولاد کی وساطت سے سینہ بہ سینہ عزرا کاتب تک پہنچی۔ عزرا نے کمیسہ عظمیٰ کے مجروں کو جن کی تعداد ۱۲۰ تھی' سکھایا۔ پھر ڈھائی سو برس تک یہ وحی ان مجروں کی اولاد میں محفوظ رہی۔ شمعون عادل اس جماعت کا آخری فرد تھا۔ شمعون سے پھر جماعت سفریم (کاتبانِ وحی) اور ان سے اَحبار تنائم (علماء) نے سیکھا جن کا زمانہ ۷۰ ق م سے ۲۲۰ء تک رہا۔ پھر اس گروہ سے اَحبار وربیون نے سیکھا اور اس طور سے یہ سلسلہ قائم رہا اور تالمود کی بے شمار شروح لکھی گئیں۔ یہود کے اس عقیدے نے اَحبار وربیون کے اقوال کو وحیٔ الٰہی کا ہم پلہ بنا دیا۔ یوں روایات اور افسانوں کا انبار لگ گیا' بلکہ تورات کی آیات پر بھی پردہ پڑ گیا' یہاں تک کہ جب مکابیوں کی آزاد حکومت رومیوں کے ہاتھوں تباہ ہوگئی تو پھر یہ روایات عام طور سے پھیل گئیں۔

دوسری صدی عیسوی کے آخر میں ایک ربی یہودی ہانسی نے ان اقوال کو جمع کیا جن کا نام ''مثنہ'' ہے جو گویا تورات کی تفسیر ہے۔ پھر اس تفسیر کی بھی مزید توضیح کی گئی اور اس کا نام ''گیمارا'' رکھا۔ اس کے کل ضخیم مجموعہ کو ''تالمود'' کا نام دیا گیا۔

مثنہ

مثنہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی ''اعادۂ ہدایت وتعلیم'' کے ہیں۔ مثنہ ابتدائی ربیوں کا قانونی شرعی ضابطہ ہے۔ سید قاسم محمود انسائیکلوپیڈیا میں لکھتے ہیں کہ:

> ''مثنا کے بارے میں یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ اقوال بطور وحی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوئے تھے''۔

یہودیت اور صیہونیت میں ہے کہ تالمود اور مثنا ایک چیز نہیں۔ تلمود مثنہ کے تمام مضامین پر حاوی ہے۔ مثنا ایک عربی کلمہ ہے۔ مثنا کے معنی اعادو شمار کے ہیں اور ''ثنی'' میں بھی اعادہ و تکرار کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اثنان واحد کی تکرار کا نام ہے اور مثنہ اُن مسلّمات کو کہتے ہیں جن کو حفظ کے لیے بار بار ذکر کیا جاتا ہے تا کہ حافظے میں راسخ ہو جائیں۔ مثنہ کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: زریم' موعد' نشیم' نزیکین' قداشیم اور طہورت۔

گیمارا

یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے' جس کے معانی علم وعرفان کے ہیں۔ اسے ''جمارا'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بنیادی طور پر مشنہ کی تفسیر ہے' یہی وجہ ہے کہ عالم گیمارا کے لفظی معنی ''تکمیل'' یا ''انجام'' بیان کرتے ہیں۔ اس میں مشنا کے زیادہ تر حصوں کی توضیح وتشریح موجود ہے۔ اس میں یہودی تاریخ اور اس زمانے کے رسم ورواج سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ گیمارا بابل اور فلسطین میں الگ الگ یہودی علماء نے ترتیب دی۔ یہ کام تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں جبکہ بعض علماء کے مطابق تیسری اور چوتھی صدی عیسوی کے درمیانی حصہ میں ہوا۔

تلمود یا تالمود کی اقسام

تالمود کی دو اقسام ہیں: ایک فلسطینی تالمود اور دوسری بابلی تالمود۔ یہ دونوں پانچویں صدی عیسوی کی مرتب شدہ ہیں۔ پہلی مغربی آرامی اور دوسری مشرقی آرامی میں لکھی گئی۔

فلسطینی تالمود

اسے مغرب کی تالمود بھی کہا جاتا ہے' کیونکہ اس کی زبان مغربی آرامی ہے۔ فلسطینی تالمود بابلی تالمود کی نسبت آسان ہے اور مختصر ہے' جس میں تاریخ' جغرافیہ اور آثار قدیمہ کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔

بابلی تالمود

یہ مشرقی آرامی زبان میں پانچویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ یہ فلسطینی تالمود سے تین گنا بڑی ہے۔ یہودیوں میں بابلی تالمود کو معتبر اور مستند مانا جاتا ہے نہ کہ فلسطینی تالمود کو۔

یہودی لٹریچر میں تالمود کی اہمیت

تالمود جمہور یہود کے نزدیک عہد نامہ عتیق کے بعد سب سے اہم کتاب ہے۔ سولھویں صدی عیسوی میں یہودی اَحبار وحاخام نے متفق ہو کر اپنے یہاں اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا۔ اب کوئی یہودی عالم یا رِبّی تو کیا' حاخام (یہودی پاپائے اعظم) بھی تلمود کے سوا کہیں اور سے یا اپنے قیاس واجتہاد سے کوئی فتویٰ صادر نہیں کر سکتا اور یہ عقیدہ یہودیوں میں راسخ ہو گیا کہ:

''جو تلمود سے ذرہ برابر اختلاف کرے گا اس پر یہواہ کا غضب اور موت نازل ہوگی۔''

اب آج کل جتنے یہودی دنیا میں پائے جاتے ہیں ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں مل سکتا جو تورات کا یہودی ہو' بلکہ سب کے سب تلمود کے یہودی ہیں۔

یہودی قوم اور مذہب کی بقاء اسی پر منحصر ہے۔ ایک زمانہ تالمود پر ایسا بھی گزرا جس میں غیر یہودی قوتوں نے تالمود کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ۱۷/ جون ۱۲۴۲ء کو پیرس میں تالمود جلائی گئی۔ اس طرح ۹ ستمبر ۱۵۳۳ء کو بہت سے یہودی ربیوں کے متون روم میں جلائے گئے اور ۱۷۵۷ء میں پولینڈ میں تالمود کی بہت سی جلدیں جلائی گئیں جس کا مقصد یہودیت کو دبانا اور ختم کرنا تھا۔

لیکن تالمود پھر مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اسے یہودی مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ زراعت' تہواروں' شادی کے قوانین' رفاہِ عامہ' خیرات اور سماجی انصاف سے متعلق اس سے رہنمائی لی جاتی ہے' گویا تالمود قانونی' شہری' عدالتی اور انسانی انسائیکلوپیڈیا ہے۔

تالمود کے مضامین

تالمود یہودیوں کی بہت اہم کتاب ہے۔ یہ تین سو گیارہ (۳۱۱) سال کے عرصے میں مکمل ہوئی۔ اِس وقت یہ بارہ جلدوں ☆ پر مشتمل ہے جس میں تورات کے الٰہی اصول' ان کی تفاسیر' بائبل مقدس کے واقعات کی تفسیر' فلسفیانہ مضامین' کہانیاں' رسوم و روایات اور تمثیلیں' ان لوگوں کی مذہبی زندگی کے واقعات جنہوں نے اسے تیار کیا' شامل ہیں۔ یہ ''تورۃ'' کے برعکس زبانی شریعت کہلاتی ہے۔ یہ شریعت تمام حالات میں ناقابل تبدیل رہی۔

تالمود کی شروح

مشنہ اور جمارا یا گیمارا پانچویں صدی عیسوی میں مرتب ہوئیں۔ ان دونوں کے مجموعے کو تالمود کہتے ہیں۔ تالمود کی مزید شروح بھی لکھی گئیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے' لیکن جو شرحیں زیادہ مشہور ہیں اور معتبر سمجھی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) سعد الفیومی نے پانچویں صدی ہجری میں الگ الگ حصوں میں تلمود کی عربی شروح لکھیں۔

(۲) دوسری شرح غازی صلاح الدین ایوبی کے یہودی طبیب موسیٰ بن میمون نے چھٹی صدی ہجری میں لکھی۔ یہ چودہ حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کا نام الید التقویتہ ہے۔

اس کے علاوہ دسویں صدی ہجری میں ایک یہودی عالم موسیٰ افرائم نے مشنہ کی شرح کے

☆ یہ مجموعہ پنجاب یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں موجود ہے۔

لیے مسائل پر الگ الگ متعدد کتابیں لکھیں۔ ان شروح کو یہودی علماء کی ایک مجلس نے دو جلدوں میں یکجا کر دیا۔

تلمود کے چند اقتباسات

یہود کی کتاب تلمود جو دنیا کے سارے یہودیوں کا دینی و دنیاوی دستور ہے' اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

☆ یہودی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام فرشتوں سے زیادہ محبوب ہیں' یہود اللہ تعالیٰ سے وہی عنصری تعلق رکھتے ہیں جو کسی بیٹے کو اپنے باپ سے ہوتا ہے۔

☆ اگر یہود دنیا میں نہ ہوتے تو آفتاب طلوع نہ ہوتا اور نہ زمین پر کبھی مینہ برستا۔

☆ اللہ نے تمام انسانوں کے کمائے ہوئے مال و منال پر یہود کو تسلط و تصرف کا اختیارِ کامل دے دیا ہے۔

☆ جو یہودی نہیں ہے اس کا مال ''مالِ متروکہ'' کا حکم رکھتا ہے۔ یہودیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہیں اسے اپنے قبضہ میں لائیں اور جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ یہی حکم اُن عورتوں کے لیے ہے جو نسلاً یہودیہ نہیں ہیں۔

☆ اللہ نے اپنی پسندیدہ نسل یہود کے اختیار میں تمام حیوان اور انسانوں کو دے دیا ہے۔ اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ یہود کو جانوروں کی دونوں قسموں کی ضرورت ہے۔ ایک تو وہ جانور جو بات چیت نہیں کیا کرتے' مثلاً چوپائے' طیور۔ دوسرے وہ جانور جو بات چیت کرتے ہیں' اس قسم میں مشرق و مغرب کے وہ تمام لوگ داخل ہیں جو یہودی نسل کے نہیں ہیں۔ اللہ نے ان سب کو ہمارے اختیار میں اس لیے دیا ہے کہ ہم ان سے جس طرح چاہیں اپنی خدمت لیں۔

☆ ہر یہودی کا یہ فرض ہے کہ غیر یہودیوں کے قبضہ میں کسی مال کے جانے کو روکے' تاکہ دنیا کے ہر مال کی ملکیت یہود اور صرف یہود کے لیے باقی رہے۔

☆ کسی یہودی کو اگر فائدہ پہنچ رہا ہو یا کسی غیر یہودی کو نقصان پہنچ سکتا ہو تو جھوٹ بولنا' جھوٹی گواہی دینا اور دھوکہ فریب سے کام لینا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔

☆ کسی غیر یہودی کی سلامتی یا اس کی بہتری کے لیے کوئی تمنا اپنے دل میں ہرگز نہ آنے دو۔

☆ اگر کوئی آبادی تمہارے (اے یہودیو!) قبضہ میں آ جائے تو وہاں کے تمام لوگوں کو قتل کر

دو۔تم کو اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ اپنے پاس کوئی قیدی رکھو۔عورت' مرد' بوڑھے' بچے سب قتل کر دیے جائیں۔

☆ جس سرزمین پر یہودیوں کا قبضہ نہیں ہے وہ نجس و ناپاک ہے۔اس لیے کہ پاک و طاہر صرف یہودی ہوتے ہیں اور وہ سرزمین پاک ہوتی ہے جس پر یہودیوں کا قبضہ ہو۔

ویسے تو کتاب تلمود کے مکمل سات حصے ہیں جو اس قسم کی عجیب و غریب ہدایات سے بھرے ہوئے ہیں اور یہودی عملاً اس کے پابند بھی ہیں' لیکن صرف یہ دس اقتباسات ہی اس بات کے لیے کافی ہیں کہ عیسائیوں نے یہود کو کیوں اذیتیں دے کر قتل کیا۔اور اپنے اسی کردار کی وجہ سے یہ قوم دنیا میں ذلیل و رسوا ہوتی رہی ہے۔

مصادر و مراجع

(۱) مقالات ہاشمی' مرتب ثناء اللہ صدیقی۔
(۲) اسلامی انسائیکلوپیڈیا' جلد اول' سید قاسم محمود' الفیصل ناشران لاہور۔
(۳) تاریخ صحف سماوی از نواب علی' برادوہ' جامع مسجد۔
(۴) مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں' از پرویز' ادارہ طلوع اسلام جی/۲۵ گلبرگ لاہور۔
(۵) یہودیت از یوسف ظفر۔
(۶) یہودیت اور صیہونیت از احمد عبدالغفور عطاء۔
(۷)The Encyclopedia of Religion and Ethics V-XII
(۸)The New Encyclopedia Britanica V:9

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت' اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج
بانیِ تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد
کا ایک جامع خطاب
☆صفحات:72 ☆اشاعت خاص:40 روپے' اشاعت عام:15 روپے

نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

ایک افسانہ یا حقیقت؟ (۲)

حافظ محمد زبیر ☆

پچھلے شمارے میں ہم نے سورۃ الزخرف کی آیت ۶۱ کے ایک حصے ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں صحابہ کرام ؓ، تابعین عظام ؒ اور پہلی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک کے نامور اور جلیل القدر مفسرین کی آراء بیان کی تھیں جن کے مطابق اس آیت سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا قیامت سے پہلے اس دنیا میں دوبارہ نزول مراد ہے۔ اب ہم اس آیت مبارکہ پر بعض ناقدین کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کا ایک علمی جائزہ لیں گے۔

آیتِ مبارکہ کی مذکورہ بالا تفسیر پر چند شبہات اور اُن کے جوابات

اعتراضِ اوّل

ایک صاحب نے ہمارے نام اپنے ایک خط میں یہ اعتراض وارد کیا ہے: ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نام موجود نہیں ہے' لہٰذا اس آیت سے حضرت عیسیٰ ابن مریم ؑ کے نزول پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

ہم یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید:٤) اور ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (القصص:۸۸) جیسی سینکڑوں آیات میں لفظ ''اللہ'' موجود نہیں ہے' تو کیا ان آیات کا ترجمہ کرتے وقت ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیات اللہ کے بارے میں ہیں؟ قرآن مجید میں ہزاروں مقامات ایسے ہیں جہاں پر واضح نام (Noun) ذکر کرنے کی بجائے ضمائر

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

(Pronouns) میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بات کرتے ہیں' تو کیا قرآن کے یہ سارے مقامات غیر واضح اور غیر صریح ہیں؟ اگر اس اصول کو مان لیا جائے کہ ضمائر میں ہونے والی بات مبہم ہوتی ہے تو پھر تو آدھے سے زیادہ قرآن مبہم ہوا' اور جب آدھے سے زیادہ قرآن مبہم ہے تو وہ مخلوق کے لیے ہدایت کا باعث کیسے ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ ضمائر کا استعمال کسی بھی زبان کی فصاحت و بلاغت میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی سادہ سی مثال ہم اردو زبان میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے:

''حامد سکول سے آیا' حامد نے بستہ رکھا' حامد نے کھانا کھایا' حامد سو گیا''

تو یہ فصیح و بلیغ کلام شمار نہ ہوگا۔ اور اگر اس کی جگہ کوئی یہ کہے کہ:

''حامد سکول سے آیا' اس نے بستہ رکھا' کھانا کھایا اور سو گیا''

تو یہ کلام فصیح و بلیغ ہے' کیونکہ اس میں حامد کے نام کی تکرار نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اوپر دی گئی عبارت میں اس بات کی صراحتاً یا اشارتاً وضاحت نہیں ہے کہ کس نے بستہ رکھا ہے یا کس نے کھانا کھایا ہے؟ تو اہل زبان ایسے آدمی کو بے وقوف اور جاہل کہیں گے' کیونکہ اس عبارت میں ضمیر 'اس' موجود ہے جو کہ حامد کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسی طرح کا معاملہ آیت مبارکہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کا ہے کہ اس میں 'ہٗ' کی ضمیر ہے جو کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف لوٹ رہی ہے جن کا ذکر صراحت کے ساتھ پچھلی آیات میں موجود ہے۔ مفسرین کرامؒ نے بھی اس ضمیر کو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف لوٹایا ہے' اس لیے مفسرین کا اس آیت کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں ہے' محض ان کی رائے نہیں ہے بلکہ یہ قرآنی نص ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ سکول سے آنے والا تو حامد ہے لیکن کھانا کھانے والا زید ہے' تو یہ شخص بھی غلطی پر ہے' کیونکہ پچھلی عبارت میں زید کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اس لیے اگر ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے علاوہ قرآن یا محمد ﷺ کی طرف ضمیر لوٹا دی جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا' کیونکہ پیچھے ذکر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا ہو رہا ہے نہ کہ قرآن یا حضرت محمد ﷺ کا۔ مرزا قادیانی نے اس آیت مبارکہ میں 'ہٗ' کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹائی ہے جس کی کوئی دلیل قادیانی کے پاس نہیں ہے' کیونکہ اس آیت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا ذکر تو ہے لیکن قرآن کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

اعتراضِ ثانی

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ کا ذکر تو ہے لیکن نزول کے الفاظ نہیں ہیں' اس لیے اس آیت سے حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ کا نزول مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر زبان میں کسی بات کو بیان کرنے کے مختلف اسالیب ہوتے ہیں جنہیں اہل زبان اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ مثلاً تشبیہ' مجاز' کنایہ' استعارہ' حذف' ایجاز' اطناب' تلمیح وغیرہ سب زبان کے استعمال ہی کے مختلف انداز ہیں جن کے استعمال سے کسی زبان میں فصاحت و بلاغت اور حُسن پیدا ہو جاتا ہے۔ علمِ بلاغہ کی مذکورہ اقسام میں سے ایک قسم ''حذف'' کا استعمال قرآن میں بہت زیادہ ہے' کیونکہ حذف میں ایجاز (اختصار) ہے اور ایجاز میں کلام کی خوبصورتی اور حسن ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے: ﴿وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ (یوسف:۸۲) یعنی آپ بستی سے سوال کریں' اب سوال بستی سے تو نہیں ہوتا بلکہ بستی والوں سے ہوتا ہے' اس لیے ہم یہ کہیں گے کہ یہاں 'بستی' سے مراد 'بستی والے' ہیں۔ اسی طرح قرآن میں ہے: ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (النساء:۱۶۳) یعنی مؤمن اور کافر اللہ کے ہاں درجات ہیں۔ اب اس آیت کا معنی بھی اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک ہم 'درجات' سے مراد 'درجات والے' نہ لیں۔ اسی طرح قرآن میں ہے: ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا﴾ (النساء:۱۷۲) ''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے واضح کرتا ہے تاکہ تم گمراہ ہو جاؤ''۔ اس آیت کا مفہوم بھی اُس وقت تک درست نہیں ہوگا جب تک ہم اس آیت میں 'اَنْ' کے بعد 'لَا' کو محذوف نہ مانیں۔ اس لیے اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا:

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے وضاحت کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ''۔

اب اگر کوئی شخص ہم سے یہ پوچھے کہ آپ نے 'نہ' کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے' آیت میں تو 'نہ' کا لفظ موجود ہی نہیں ہے؟ تو ہم اس کو یہی کہیں گے کہ 'نہ' جس لفظ کا ترجمہ ہے وہ اس آیت میں لفظوں میں موجود نہیں ہے بلکہ محذوف (understood) ہے اور یہ محذوفات قرآن میں ہزاروں جگہ موجود ہیں۔ یہ حذف ہر زبان میں ہوتا ہے اور اسی میں کلام کی خوبصورتی ہے۔ مثلاً اردو میں حذف کی سادہ سی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ جب آپ کسی سے پوچھتے ہیں کہ بھئی تم کہاں جا رہے ہو؟ تو وہ جواب میں صرف یہ کہتا ہے: 'بازار'۔ حالانکہ اس جواب میں بہت سے

محذوفات ہیں اور مکمل جواب یہ ہے کہ: ''میں بازار جا رہا ہوں''۔لیکن پہلے جواب میں خوبصورتی ہے' جبکہ دوسرے جواب میں بات کو خواہ مخواہ لمبا کیا گیا ہے۔اس لیے بہت سی جگہوں پر محذوفات کا ذکر کرنا کلام کا عیب شمار ہوتا ہے۔اہل زبان کے ہاں یہ محذوفات یا تو عقلاً متعین ہوتے ہیں' یا کچھ شرعی خارجی قرائن ان کی طرف اشارہ کر رہے ہوتے ہیں یا عرف و عادت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ محذوف ہے ☆۔اب سوال یہ ہے کہ اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ یہاں پر کلام میں کچھ محذوف ہے یا نہیں؟ یہ فیصلہ کوئی ریڑھی لگانے والا' ڈاکٹر' انجینئر' سائنس دان یا تاجر نہیں کرے گا' بلکہ اس کا تعین وہ جلیل القدر علماء کریں گے جن کی مادری زبان عربی تھی یا جنہوں نے اس زبان کی تعلیم و تعلم پر بیسیوں برس صرف کیے' کیونکہ مفسرین قرآن کے کسی مقام پر خواہ مخواہ ہی کوئی محذوف نہیں نکالتے بلکہ کسی جگہ محذوف نکالنے کے لیے بھی دلائل اور قرائن ہوتے ہیں۔مفسرین کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس آیت مبارکہ میں 'نزول' کو محذوف مانا ہے اور اس لفظ کو اس آیت میں محذوف ماننے کے خارجی اور داخلی قرائن بہت زیادہ ہیں۔خارجی قرائن میں ایک تو احادیث مبارکہ ہیں اور دوسرے اقوالِ صحابہؓ۔اقوالِ صحابہ تفسیر میں اس لیے حجت ہیں کہ وہ اس ماحول اور پس منظر کا ایک حصہ ہوتے ہیں جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔لہٰذا ان آیات کے نزول کے اسباب کیا تھے' یا اس ماحول میں کیا سوالات یا مباحث جاری تھے جن پر ان آیات کا نزول ہوا' اس سب سے صحابہ کرامؓ اچھی طرح واقف تھے۔قرآن عموماً ایسے اختلافی مباحث میں فیصلہ کن بات تو بیان کر دیتا ہے لیکن اس ماحول اور پس منظر کو بیان نہیں کرتا جس میں ان آیات کا نزول ہوتا ہے۔لہٰذا صحابہ کرامؓ کی تفسیر شاہدین واقعہ ہونے کی بنا پر حجت ہے۔داخلی دلائل میں علم بلاغہ کے کچھ اصول و ضوابط ہیں جن کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں۔اسی طرح اس آیت میں 'عِلْمٌ' مصدر ہے جو کہ اسم عَلَم کے معنی دے رہا ہے اس لیے 'عِلْمٌ' سے 'مَا يُعْلَمُ بِهٖ' مراد ہے' یعنی جس سے علم حاصل ہو۔امام اللغۃ علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ أی شرط من أشراطها تعلم به فسمی الشرط

☆ قرآن میں حذف اور اس کی اقسام کے موضوع پر راقم الحروف کا ایک تفصیلی مضمون ماہنامہ حکمت قرآن بابت جون و جولائی ۲۰۰۷ء کے شماروں میں دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔اس موضوع سے متعلق مزید معلومات کے لیے اس مضمون کا مطالعہ طالبانِ قرآن کے لیے مفید رہے گا۔

علما لحصول العلم به (تفسیر کشاف' سورة الزخرف: ٦١)

''﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جس سے قیامت کا علم حاصل ہوگا' اور شرط کو علم کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس سے علم حاصل ہو رہا ہے''۔

امام المتکلمین امام رازیؒ فرماتے ہیں:

﴿لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ شرط من أشراطها تعلم به فسمي الشرط الدال على الشيء علما لحصول العلم به (تفسیر رازی' سورة الزخرف: ٦١)

''﴿لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جس سے قیامت کا علم حاصل ہوگا' اور کسی چیز پر رہنمائی کرنے والی شے کو شرط کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس سے علم حاصل ہو رہا ہے''۔

امام النحو ابوحیان الاندلسیؒ لکھتے ہیں:

لَعِلْمٌ مصدر علم قال الزمخشری: ای شرط من أشراطها تعلم به فسمي العلم شرطا لحصول العلم به (البحر المحیط' سورة الزخرف: ٦١)

''لَعِلْمٌ علم سے مصدر ہے۔ علامہ زمخشری نے کہا ہے: وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جس سے قیامت کا علم حاصل ہوگا' اور شرط کو علم کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس سے علم حاصل ہو رہا ہے''۔

قواعدِ مذکورہ بالا کی روشنی میں اس آیت کی تقدیرِ عبارت 'وَاِنَّهٗ بِنُزُوْلِهٖ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ' ہوگی جبکہ اس آیت کا معنی 'وَاِنَّ عِیْسٰی بِنُزُوْلِهٖ مَا یُعْلَمُ بِهِ السَّاعَةُ' ہوگا۔ اس آیت کا یہی مفہوم ہم نے پچھلے چودہ سو سال میں گزرنے والے تقریباً چالیس مفسرین کے حوالوں سے بیان کیا تھا جس پر ہمارے ایک قاری نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ اس آیت میں نہ تو حضرت عیسٰی بن مریمؑ کا نام ہے اور نہ ہی نزول کا تذکرہ ہے۔ ہمارے خیال میں ایسے قارئین کو عربی زبان کے اسالیب وقواعد سے ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے ایسے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں اور ان کو رفع کرنے کا بہترین حل یہی ہے کہ ایسے حضرات قرآن وسنت کے اردو تراجم سے استفادہ کے ساتھ ساتھ اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کے علوم عربیہ وشرعیہ کو ماہر اساتذہ کی صحبت میں رہتے ہوئے حاصل کریں' کیونکہ امام شافعیؒ کا یہ قول بہت ہی معروف ہے کہ ''جس

کا کوئی استاد نہ ہو اُس کا استاد شیطان ہوتا ہے''۔ یعنی استاد کے بغیر صرف ذاتی مطالعے سے حق بات تک پہنچنے والے نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں' کیونکہ ایسے افراد اکثر و بیشتر شیطان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔

اعتراضِ ثالث

ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ قرآن میں ہر قسم کے بنیادی عقیدے کو اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ کہیں بھی صریحاً بیان نہیں ہوا۔

یہ دعویٰ محلِ نظر ہے کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کے تمام عقائد کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ حقیقت میں یہ دعویٰ منکرینِ احادیث کا ہے یا اس سے ملتا جلتا دعویٰ قادیانیوں نے کیا ہے جو احادیث میں بیان شدہ عقائد کو اسلامی عقائد قرار نہیں دیتے۔ ہم اس دعوے کے قائلین سے سوال کرتے ہیں کہ جب کسی غیر مسلم نے اسلام قبول کرنا ہو تو اس کا کیا طریقۂ کار ہے؟ یعنی ایک غیر مسلم کن کلمات کو ادا کرنے کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہوگا؟ اور کیا یہ کلمات قرآن سے ثابت ہیں؟ کیا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' یا ''اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' کے الفاظ قرآن مجید کی کسی سورت میں بیان ہوئے ہیں؟ اگر نہیں بیان ہوئے تو پھر یہ دعویٰ ہی باطل ہے کہ قرآن مجید میں ہر ایک عقیدہ واضح طور پر بیان ہو گیا ہے اور عقیدے کے مسائل میں حدیث سے رہنمائی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی منکرِ حدیث یا قادیانی یہ کہتا ہے کہ یہ الفاظ قرآن میں نہیں ہیں اس لیے میں ان الفاظ کو نہیں مانتا تو ایسے منکرِ حدیث یا قادیانی سے ہم یہ سوال کریں گے کہ وہ قرآن سے ہمیں بتائے کہ کسی غیر مسلم کو مسلمان کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ یا کن کلمات کو ادا کرنے سے ایک غیر مسلم مسلمان ہو گا؟ اور یہ کلمات قرآن سے ثابت بھی کرے۔ یا یہ کلمات نہ سہی اس کے نزدیک کسی غیر مسلم کے اسلام میں داخل ہونے کا جو بھی طریقۂ کار ہے وہ اسے قرآن سے ثابت کرے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں بہت سے عقائد ایسے ہیں جن کو قرآن مجید نے اس طرح صراحت سے بیان نہیں کیا جس صراحت سے ان کا بیان احادیث میں آ گیا ہے۔ مثلاً ختم نبوت کا عقیدہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں صرف ایک جگہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے 'خاتَم النبیّین' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں 'خاتَم' اسم آلہ ہے جس کا معنی

'مہر' ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نبیوں کی مہر ہیں' یعنی آپ آخری نبی ہیں۔ اگر قرآن چاہتا تو ختم نبوت کے عقیدے کے اثبات کے لیے 'سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ' یا 'لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ' جیسے احادیث میں وارد شدہ واضح اور صریح الفاظ بھی استعمال کر سکتا تھا' لیکن بہت سے عقائد کے معاملے میں ہم دیکھتے ہیں کہ جتنی صراحت اور وضاحت احادیث میں ہوتی ہے اتنی قرآن میں نہیں ہوتی۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج سے مباحثہ و مکالمہ کے لیے بھیجا تو خاص طور پر یہ تاکید کی کہ قرآن سے دلیل نہ دینا' بلکہ حدیث سے دلیل دینا' کیونکہ قرآن میں وہ صراحت نہیں ہے جو کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔ لہٰذا آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کے بالمقابل ہر باطل فرقے کی بنیاد انکارِ حدیث ہوتی ہے' کیونکہ قرآن کی تو یہ تاویل کر لیتے ہیں' اس کے الفاظ کو من مانے مفہوم کا جامہ پہنا دیتے ہیں' لیکن احادیث کی صراحت کی وجہ سے ان حضرات کے لیے احادیث میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی' لہٰذا ان کا پہلا دعویٰ انکارِ حدیث کا ہوتا ہے۔ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے جہاں کتابِ ہدایت بنایا ہے وہاں اس کی آیات اور مضامین بعض کج فہموں کے لیے آزمائش بھی بنائے گئے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ......﴾ (آل عمران:٧)

''وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آپؐ پر کتاب نازل کی جس میں کچھ محکم آیات ہیں جو کتاب کی اصل (بنیاد) ہیں اور کچھ دوسری متشابہ ہیں' پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے تو وہ قرآن کی متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تاکہ فتنہ تلاش کر سکیں اور اس کا حقیقی مفہوم معلوم کر سکیں' جبکہ حال یہ ہے کہ ان (متشابہات) کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ اور پختہ علم رکھنے والے علماء ہی جانتے ہیں......''

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر کسی دینی اہلیت اور 'رسوخ فی العلم' کے قرآن کریم کی متشابہ آیات کی تفسیر و تاویل کے پیچھے پڑنا درحقیقت اُمت مسلمہ میں فتنے پھیلانے کے مترادف ہے۔ قرآن کی متشابہ آیات کا علم اللہ تعالیٰ یا رسوخ فی العلم رکھنے والے جلیل القدر علماء ہی کے

پاس ہے۔

اعتراضِ رابع

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ﴿وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ﴾ سے اگر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول مراد لیا جائے تو ﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ کے ساتھ اس کا ربط واضح نہیں ہوتا کیونکہ ﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ میں مشرکینِ مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم قیامت میں شک نہ کرو اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول مشرکینِ مکہ کے لیے کیسے دلیل بن سکتا ہے جبکہ یہ نزول ان کے مَر کھپ جانے کے ہزاروں سال بعد ہونا تھا؟ مرزا قادیانی اس اعتراض کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اس آیت پر غور کر کے ہر ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اس کو حضرت عیسیٰ کے نزول سے کچھ بھی تعلق نہیں ...کیا اس طرح اتمامِ حجت ہو سکتا ہے کہ دلیل تو ابھی ظاہر نہیں ہوئی اور کوئی نام و نشان اس کا پیدا نہیں ہوا اور پہلے سے ہی منکرین کو کہا جاتا ہے کہ اب بھی تم کیوں یقین نہیں کرتے ...کیا یہ اتمامِ حجت کا طریقہ کار ہے کہ دلیل تو ابھی پردۂ غیب میں ہو اور یہ سمجھا جائے کہ الزام پورا ہو گیا ہے؟ ایسے معنی قرآن شریف کی طرف منسوب کرنا گویا اس کی بلاغت اور پُر حکمت بیان پر دھبہ لگانا ہے۔ سچ ہے کہ بعض نے یہی معنی لیے ہیں مگر انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے' بلکہ حق بات یہ ہے کہ 'اِنَّہٗ' کا ضمیر قرآن شریف کی طرف پھرتا ہے"۔ (خزائن معارف اسلامیہ' جلد ۲' ص ۳۲۵' ناشر مرزا غلام احمد فاؤنڈیشن)

یہی اعتراض مولانا مودودیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اٹھایا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

"ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' عکرمہ' قتادہ' سدی' ضحاک' ابوالعالیہ اور ابو مالک رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ کا نزولِ ثانی ہے جس کی خبر بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ قیامت اب قریب ہے' لیکن اِن بزرگوں کی جلالتِ قدر کے باوجود یہ ماننا مشکل ہے ...ان کا دوبارہ آنا تو قیامت کے علم کا ذریعہ صرف ان لوگوں کے لیے بن سکتا ہے جو اسی زمانہ میں موجود ہوں یا اس کے بعد پیدا ہوں' کفارِ مکہ کے لیے آخر وہ کیسے ذریعۂ علم قرار پا سکتا تھا کہ ان کو خطاب کر کے یہ کہنا صحیح ہوتا کہ 'پس تم اس میں شک نہ کرو'۔

جو اشکال صحابہ رضی اللہ عنہم ' تابعینؒ اور جلیل القدر مفسرین امام قرطبی' امام رازی' امام ابن کثیر' امام بیضاوی' امام بغوی' امام سیوطی' علامہ زمخشری' امام ابو جعفر النحاس' علامہ سمرقندی' امام نسفی' امام واحدی' امام بقاعی' علامہ آلوسی' علامہ ثناء اللہ پانی پتی' نواب صدیق الحسن قنوجی' امام ابوحیان الاندلسی' امام شوکانی' علامہ شنقیطی' سید قطب شہید' علامہ سید طنطاوی' علامہ ابوبکر الجزائری' شاہ عبد القادر' مفتی محمد شفیع صاحب' مولانا وحید الزمان خان اور مولانا ادریس کاندھلوی (رحمہم اللہ علیہم) وغیرھم کو پیدا نہ ہوا وہ چودھویں صدی میں مرزا قادیانی کو پیدا ہو گیا اور چودہ سو سال میں پہلی دفعہ مرزا قادیانی پر یہ الہام ہوا کہ یہ تمام مفسرین غلطی پر تھے اور صحیح رائے تو وہ ہے جو وہ بیان کر رہا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ کرنا ہی کسی انسان کی جہالت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ' تابعینؒ اور جلیل القدر مفسرین کو اس بات کا علم نہ تھا کہ جو تفسیر وہ کر رہے ہیں وہ قرآن کی بلاغت یا سیاق و سباق کے خلاف ہے۔

ہمارے خیال میں یہ مقدمہ ہی غلط ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو وقوع قیامت کی کوئی دلیل دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے حصے میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ' جن کا ذکر پچھلی آیات میں چلا آ رہا ہے' کے بارے میں مسلمانوں اور مشرکین دونوں کو یہ خبر دی گئی ہے کہ ان کا قیامت سے پہلے نزول قرب قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور بہت سے مقامات پر آسمان کے پھٹنے' ستاروں کے ماند پڑ جانے' پہاڑوں کے اڑانے وغیرہ کو قیامت کی نشانیاں اور علامات قرار دیا ہے' لیکن مشرکین مکہ نے ان میں کسی بھی علامت کو دیکھا نہیں تھا۔ اس آیت کے دوسرے حصے میں بھی مسلمانوں اور مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے انہیں یہ کہا جا رہا ہے 'اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِقُدْرَةِ اللّٰهِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا' یعنی اگر تم اللہ کو قادر مانتے ہو تو قیامت کے وقوع میں شک نہ کرو۔ 'فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا' کے شروع میں جو 'فاء' ہے یہ ''فائے فصیحة'' کہلاتی ہے' کیونکہ 'افصاح' کا معنی ظاہر کرنا یا واضح کرنا ہوتا ہے اور یہ 'فاء' یہ واضح کرتی ہے کہ اس سے پہلے ایک شرط محذوف ہے۔ الاستاذ محی الدین الدرویش نے اپنی معروف کتاب 'اعراب القرآن و بیانہ' میں اس 'فاء' کو فائے فصیحہ ہی قرار دیا ہے۔ اس 'فاء' کا ایک اور نام ''فائے رابطہ'' بھی ہے' کیونکہ یہ شرط اور جواب شرط کے درمیان رابطے کا کام دیتی ہے۔ مفتی مصر علامہ سید طنطاوی نے 'معجم اعراب الفاظ القرآن الکریم' میں اس

فاء کو فائے رابطہ کہا ہے۔ شرطِ محذوف نکالنے کے بعد اسی 'فاء' یعنی فائے فصیحیہ یا فائے رابطہ کو 'فائے جزائیہ' کہتے ہیں۔ لہٰذا 'فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا' کے شروع کی 'فاء' اس بات کی متقاضی ہے کہ یہاں اس سے پہلے شرط کو محذوف نکالا جائے اور ہم نے یہ شرط 'اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِقُدْرَةِ اللّٰهِ' نکالی ہے' کیونکہ پچھلی آیت ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ﴾ اسی کے محذوف ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ اب شرطِ محذوف اور جوابِ شرط مذکور کو ملایا جائے تو آیت کا دوسرا حصہ مکمل ہوتا ہے جو کہ 'اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِقُدْرَةِ اللّٰهِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا' ہے۔ اس لیے ﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ کا تعلق ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے جوڑتے ہوئے ائمۂ سلف کی غلطی نکالنا خود غلطی نکالنے والے کی عربی قواعد و اسالیب سے ناواقفیت و جہالت کی دلیل ہے۔

ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ اگر ہمیں سلف صالحین کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تو ہم فوراً اُن کی غلطی نکالنے کی بجائے اپنی کم علمی اور جہالت دور کرنے کی طرف توجہ دیں۔ جبکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ سلف صالحین کے علم کے بالمقابل سوواں حصہ بھی نہ ہونے کے باوجود ہمارے معاصر مفکرین صرف اتنا کہہ کر ائمہ سلف پر تنقید یا ان سے اختلاف شروع کر دیتے ہیں کہ ان کی ایک رائے تھی' جس طرح ان کو رائے رکھنے کا حق تھا ہمیں بھی اس کا حق ہے' لیکن ایسے مفکرین اس بات پر غور نہیں کرتے کہ سلف صالحین پر نقد کرتے ہوئے یا ان کی متفق علیہ آراء سے اختلاف کر کے وہ اپنی جہالت کو ظاہر کر رہے ہوتے ہیں نہ یہ کہ اُن کا مبلغ علم ائمۂ سلف سے بڑھ کر ہے۔

(جاری ہے)

محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے مکمل دورۂ ترجمہ قرآن اور دروس و خطابات کے علاوہ تلاوتِ قرآن' کتب احادیث کے تراجم' میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے' اردو و انگریزی کتب' کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے!

رِبَا النَّسِیئَہ

اشکالات اور اُن کا جواب

مرزا عمران حیدر

نظامِ معیشت میں سود کی ہلاکت خیزی ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ اپنی تباہ کاریوں کے پیشِ نظر ہر قوم اور ہر دَور میں یہ حرام اور ناپسندیدہ رہا ہے۔ الہامی تعلیمات اِس کی حرمت پر متفق ہیں۔ سیکولر معاشرہ بھی اخلاقیات کی بنیاد پر اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ البتہ آج نقشہ کچھ بدلا ہوا ہے۔ حلت و حرمت کی قیود سے آزاد بے دین مادہ پرستانہ معاشرے میں الہامی تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے اور باطل تاویلات کے ذریعے سود کی حمایت کی جا رہی ہے بلکہ اسے کامیابی کا زینہ قرار دیا جا رہا ہے۔ اس نظریاتی تصادم کی بازگشت اسلامی ممالک سمیت تمام دنیا میں سنی جا رہی ہے۔ نتیجتاً پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ سودی نظام کے پنجے مضبوط اور سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی سرمایہ دارانہ سوچ کے بطن سے W.T.O (World Trade Organization) اور اس قبیل کے دوسرے ادارے جنم لے رہے ہیں۔

اِن حالات نے مسلمانوں میں بھی کچھ ایسے طبقات پیدا کر دیے ہیں جو سودی نظام کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اِن طبقات نے علماءِ سوء کے ذریعے اسلامی معاشی قوانین میں رخنے ڈالنے اور ان اسلامی معاشی اصولوں کی باطل تاویلات کے ذریعے قرآن و حدیث سے مرضی کے مفاہیم کشید کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ کبھی حدیث کا انکار کر کے سود کی بعض اقسام کا انکار کر دیا جاتا ہے اور کبھی عقل کے بے لگام گھوڑے پر سوار ہو کر قرض کو صرفی اور تجارتی قرض کی خود ساختہ اقسام میں تقسیم کر کے تجارتی سود کی ممانعت کا سرے سے ہی انکار کر دیا جاتا ہے۔ دینی مسلّمات سے انحراف کی اِس سوچ کی بنا پر عام مسلمان اس کشمکش میں مبتلا ہے کہ وہ کس نظریے کو اختیار کرے۔

حق و باطل کا معرکہ روزِ اوّل سے ہی گرم ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ حق کے دفاع

کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے منتخب اور پسندیدہ افراد کو ہی میدان میں اتارتا ہے۔ لیکن یہ معرکہ اُس وقت عروج پر پہنچ جاتا ہے جب ربّ کریم اپنے پیغمبر کی مدد کے لیے خود میدان میں آ جاتا ہے۔

کبیرہ گناہوں کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت سخت سزاؤں کا اعلان ہوا ہے۔ لیکن سود میں ملوث ہونے والے کے بارے میں فرمایا:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ)

”پس اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود نہ چھوڑا) تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لیے تمہارا اصل مال ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“

شرعی طور پر کئی گناہ ایسے ہیں جو سود سے بھی بڑے معلوم ہوتے ہیں، مثلاً شرک، قتل اور والدین کی نافرمانی وغیرہ، لیکن اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کی دھمکی صرف سود خور آدمی کو ہی دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے بارے میں ایسے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو کسی اور گناہ کے متعلق نہیں فرمائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهٗ (۱)

”رسول اللہ ﷺ نے ربا (سود) کھانے والے، کھلانے والے، اس کے گواہوں اور لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے“۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا، اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ)) (۲)

”سود کے (گناہ کے) ستر حصے ہیں، ان میں سے سب سے ہلکا (گناہ) اپنی ماں سے منہ کالا کرنا ہے۔“

اللہ ربّ العالمین اور نبی رحمۃ للعالمین ﷺ کی طرف سے سود کے بارے میں اِس قدر سخت زجر و توبیخ کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ سود کی زد صرف معاشی نظام پر ہی نہیں پڑتی بلکہ اس کے اثرات سے پورا اسلامی ڈھانچہ ہی گھائل ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہر شعبۂ زندگی اور لوگوں کا ہر طبقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سود کا وجود مطلوبہ اسلامی معاشرے کے قیام کو ناممکن بنا دیتا ہے۔

حرمتِ سود ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں کسی دوسری رائے کا تصور بھی محال

ہے۔اس اجماعی موقف سے انحراف قرآنی اصطلاح کے مطابق کوئی مخبوط الحواس شخص ہی کر سکتا ہے۔البتہ اسلام بے زار اور اسلام دشمن عناصر اِس اجماعی موقف میں تشکیک پیدا کرنے کی سعیٔ لاحاصل میں مصروف ہیں۔

بنیادی طور پر دو پہلوؤں سے حرمتِ سود کا انکار کیا جاتا ہے:

(i) حدیث کا انکار کر کے ربا الفضل اور ربا کی تفصیلات کا انکار کر دیا جاتا ہے۔

(ii) قرآنی ربا کے تعین میں من مانی تفسیر اور عقلی استدلال کے ذریعے انکار کیا جاتا ہے۔

''ربا الفضل'' کے بارے میں ہم سابقہ مضمون میں کچھ عرض کر چکے ہیں (۳)۔پیشِ نظر مضمون میں ''ربا النسیئہ'' اور ''تجارتی سود'' کے بارے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

ربا سے قرآن کی مراد

سب سے بڑا اعتراض یہ اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے وہ ذاتی مقاصد کے لیے لیا جانے والا قرض ہے جسے صرفی قرض کہا جاتا ہے' لہٰذا صرفی قرضوں پر تو اضافہ حرام ہے' کیونکہ قرآن نے اس سے منع کیا ہے' لیکن تجارتی قرض کا قرآن میں حکم موجود نہیں اس لیے اس میں اضافہ درست ہے۔

اس مسئلے کا تجزیہ کریں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآنی ربا کا تعین کیسے ہوا ہوگا؟ تتبع کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ تفسیری روایات کے مطابق صرفی قرضوں پر اضافہ حرام ہے۔ نزولِ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے دَور میں قرض کی یہی صورت تھی جسے حرام قرار دیا گیا۔ جب تفسیری روایات ہی سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے تو دیگر تفسیری روایات کے مطالعہ سے ربا کی دیگر صورتیں بھی واضح ہوتی ہیں۔ بنابریں یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے مطلب کی تفسیری روایات تو قبول کر لیں اور جو روایات اپنے نظریے کے خلاف محسوس ہوئیں اُن کا انکار کر دیا؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ قرآنی ربا کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمادی ہے۔لہٰذا ربا کی وہ تمام صورتیں حرام ہیں جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمادی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں تجارتی اور غیر تجارتی ربا کی تقسیم کہیں نظر نہیں آتی۔ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرۃ:۲۷۵)

''اللہ تعالیٰ نے ''بیع'' کو حلال اور ''ربا'' کو حرام ٹھہرایا''۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ''الربا'' میں ''الف لام'' استغراق کا ہے' یعنی ہر طرح کا رِبا حرام ہے۔ علامہ آلوسی نے فرمایا:

''یہ آیت ہر ربا اور ہر بیع کے لیے ہے' اِلّا یہ کہ کسی رِبا کو خاص کرنے کی دلیل مل جائے''۔ (٤)

جہاں کہیں حالات اور مجبوری کے تحت اس کے جواز کی ضرورت تھی وہاں شریعت نے رخصت دے رکھی ہے۔ مثال کے طور پر ''بیع عرایا'' کو جائز قرار دیا ہے۔ شریعت کی طرف سے دی گئی رخصتوں کے بعد اَب مزید کسی ترمیم اور اضافے کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔

ربا اور تجارت میں فرق

اللہ تعالیٰ نے جب ربا کو حرام اور تجارت کو حلال قرار دیا تو بصیرت سے محروم لوگ ان دونوں میں فرق نہ کر سکے اور فوراً ہی کہہ دیا:

﴿اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ (البقرة:٢٧٥)

''یقیناً بیع بھی تو رِبا ہی کے مانند ہے!''

یعنی تجارت سود کی مانند ہی تو ہے! آج کے سود خوروں کے مُنہ میں بھی انہی لوگوں کی زبان ہے۔ لہٰذا ہم ذیل میں تجارت اور رِبا میں فرق واضح کرتے ہیں۔

(i) تجارت میں ایک طرف نقدی اور دوسری طرف کوئی شے (جنس) ہوتی ہے۔ تجارت کے نتیجے میں ایک آدمی کو اپنی ضرورت کا سامان یا خدمات اور دوسرے کو نقدی کی صورت میں قیمت ملتی ہے۔ اس میں فریقین کو فائدہ ہوتا ہے۔ سود میں دونوں طرف نقدی ہے۔ نقدی لے کر نقدی دی جاتی ہے۔ نقدی بذاتِ خود قابل استعمال یا مفید شے نہیں ہے' بلکہ دیگر مفید اشیاء کے تبادلے کا ذریعہ ہے' لہٰذا محض نقدیوں کا تبادلہ کوئی فائدہ مند چیز نہیں ہے۔

(ii) خام مال کو کارآمد بنانے کے لیے اس پر محنت اور مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس محنت اور سرمایہ کاری کے بعد جو کارآمد چیز بنتی ہے اس کا معاوضہ تجارت کی شکل میں حلال منافع کہلاتا ہے' جبکہ نقدی پر محض وقتی مہلت کے عوض حاصل ہونے والا اضافہ سود کہلاتا ہے' جس کے حصول کے لیے کسی قسم کی جسمانی یا ذہنی مشقت کی value addition نہیں ہوتی۔

(iii) تاجر مارکیٹ کی ضرورت کو مدِّنظر رکھ کر سامان خریدتا ہے' اسے اپنی ملکیت میں لے کر کسی محفوظ جگہ پر رکھتا ہے' چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ مول لیتا ہے' اچھی قیمت وصول

کرنے کے لیے اس میں کوئی مناسب تبدیلی یا پیکنگ وغیرہ کرتا ہے۔ پھر اس سامان کی تشہیر کر کے لوگوں کو اسے خریدنے پر آمادہ کرتا ہے۔ گاہک کو مطمئن کرنے کے لیے محنت کرتا ہے۔ بسا اوقات فروخت کے بعد بھی اس چیز کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ اس ساری تگ و دو کے بعد ہی وہ تجارت کے ذریعے حلال منافع کمانے کے قابل ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اسے لازماً نفع ہو' بلکہ بسا اوقات بہت سی وجوہات کی بنا پر اسے نفع کی بجائے خسارے کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ تاجر کا منافع یقینی نہیں بلکہ غیر یقینی ہے۔ بہت زیادہ نفع' کم منافع یا نقصان' ان تمام صورتوں کو قبول کرنے کے لیے وہ ذہنی طور پر آمادہ ہوتا ہے' تب کہیں جا کر اُس کا منافع حلال کہلاتا ہے۔ مسلمان تاجر کو تجارت میں حلال چیزوں کا ہی انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ وہ شرعی حدود و قیود کا پابند ہے۔ حرام اور نجس اشیاء کی تجارت اس کے لیے ممنوع ہے۔

سود میں دائن مدیون کو رقم فراہم کر کے ہر قسم کی جسمانی اور ذہنی مشقت سے آزاد ہو جاتا ہے۔ قرض لینے والا اس رقم سے کیا کرتا ہے' حرام خریدتا ہے یا حلال' اسے نفع ہوتا ہے یا نقصان' اِن تمام باتوں سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس کا پہلے سے طے شدہ منافع (سود) حتمی ہے جو وہ ہر حال میں وصول کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

(iv) تجارت میں نقدی اور سامان کے تبادلے کے بعد معاملہ مکمل ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز باقی نہیں رہتی (شرائط ملحوظِ خاطر رہتی ہیں)۔ سود میں عدم ادائیگی کی صورت میں معاملہ سالہا سال تک چلتا ہی رہتا ہے۔ نتیجے کے طور پر سود کی گرفت مزید مضبوط ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات نسل در نسل یہ قرض سود سمیت چلتا رہتا ہے۔

(v) تجارت کا منافع انسان کی جسمانی' فنی اور ذہنی محنت کا معاوضہ ہے۔ سود محض وقتی مہلت کا معاوضہ ہے۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں تو وقت عاملین پیدائش میں سے ہے۔ اسلام میں وقت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے' اس لیے مجرد وقت کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ ایک سوال یہ سامنے آتا ہے کہ اگر وقت کا معاوضہ لینا درست نہیں ہے تو ملازمت کا تعین گھنٹوں کی صورت میں کیوں کیا جاتا ہے؟ محنت کار آٹھ گھنٹے کام کرنے کا معاوضہ لیتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وقت کا تعین کام کے اندازے سے کیا جاتا ہے' یعنی آٹھ گھنٹوں میں اتنا کام ہو سکتا ہے اور اس کام کا معاوضہ یہ ہونا چاہیے' وگرنہ کوئی شخص کسی کاریگر یا مزدور کو آٹھ گھنٹے کام کیے بغیر' محض بیٹھے رہنے کا معاوضہ کبھی نہیں دیتا۔ کام کرنا مقصود ہوتا ہے' محض وقت گزارنا

مقصود نہیں ہوتا۔ تجارت کے برعکس سود صرف مہلت اور وقت کا بدلہ ہے۔

(vi) تجارت اگر مضاربت یا مشارکت کی صورت میں ہو رہی ہو تو اس میں شریک افراد کاروبار کی ترقی کے لیے پوری طرح محنت اور خلوص سے کام کرتے ہیں جس سے ان کو ذاتی فائدہ بھی ہوتا ہے اور ملکی معیشت بھی ترقی کرتی ہے۔ سود خور کو کاروبار کے نفع یا نقصان سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس کی نظر صرف اصل زر اور شرحِ سود پر ہوتی ہے۔ سود خور زیادہ سود ملنے کے لالچ میں مقررہ وقت پر تاجر سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کر دیتا ہے۔ بسا اوقات کاروبار کی نوعیت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اس میں سے فوری طور پر سرمایہ نکالنا مشکل اور کاروبار کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ سود خور کو ایسے وقت میں سرمایہ کھینچنے میں ذرا بھی عار محسوس نہیں ہوتی' جبکہ ایسا کرنے سے تاجر کو ذاتی اور ملکی معیشت کو اجتماعی طور پر نقصان پہنچتا ہے۔

(vii) تجارت بالخصوص مضاربت یا مشارکت کی صورت میں انسان میں تحمل' رواداری' دوسرے کو برداشت کرنا' اخلاص' دیانت داری اور محنت کی صفاتِ حسنہ پیدا ہوتی ہیں' جبکہ سود سے لالچ' طمع' سہل پسندی' خود غرضی' جبر' آمریت اور حرام خوری جیسے اخلاقِ سیئہ نشوونما پاتے ہیں۔

قرآن مجید میں تجارتی سود کا تذکرہ

قرآن مجید میں سود کی حرمت اور مذمت والی آیات کے سیاق وسباق میں عموماً صدقات کا تذکرہ آیا ہے' جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید قرض لینے والے لوگوں کی ضروریات کو صدقہ سے پورا کرنے کی رغبت دلا رہا ہے۔ اس انداز سے یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے کہ صرف وہی سود حرام ہے جو ذاتی ضروریات کے لیے لیا جاتا ہے' کیونکہ صدقات غرباء کو ذاتی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہی دیے جاتے ہیں۔ جب انہیں کہا جائے کہ فرمانِ الٰہی ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ میں اللہ تعالیٰ نے سود کے ساتھ بیع کو بھی ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں بلکہ سود خور یہود کا قول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ اس رائے کے حامل عبدالکریم اثری نے ''ربا کیا ہے؟'' کے نام سے ایک مستقل کتابچہ شائع کیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سود صرف صرفی قرضوں پر ہے' نیز سود کا تجارت (بیع) سے کوئی تعلق نہیں اور تمام محدثین نے کتاب البیوع میں ربا کے احکام کو بیان کر کے غلطی کی ہے اور یہ کہ بینکوں کے کاروبار کو درست قرار دیا گیا ہے۔ تمام محدثین کو غلط قرار دے کر ان کا استہزاء کرنے والے ''عقل مند'' اور ''صاحبِ علم'' کے بارے میں کیا کہا جا

سکتا ہے' یہ خود ایک بڑا سوال ہے!

ربا کو صرفی قرضوں تک محدود کرنا اور تجارتی قرضوں سے غیر متعلق قرار دینا محض ایک شبہ ہے جو سرمایہ دارانہ بینکوں کے سود کو جائز قرار دینے کے لیے پیدا کیا جاتا ہے۔ رِبا کی وضاحت خود رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں' لہٰذا ابہام کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ربا کو صدقات کے سیاق میں بیان کیا گیا ہے تو تجارت کے ساتھ بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو اقوال ہیں:

(i) یہ مخالفین کا قول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

(ii) یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اگر اسے مخالفین و معاندین کا قول بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور ربا کو حرام ٹھہرا کر جو فرق کیا ہے یہود اس تفریق کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سود خور یہود کے نزدیک تجارت اور بیع ایک ہی چیز ہے۔ اسی آیت کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے نظریے کی وضاحت فرمادی ہے: ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ﴾۔

دوسری بات یہ ہے کہ آیاتِ سود کے فوراً بعد تجارتی قرضوں کے احکامات پر مشتمل ایک پورا رکوع بھی موجود ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ...... وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آیات ۲۸۲ تا ۲۸۴)

آیاتِ سود کے متصل بعد اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: ''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ کرو کسی وقتِ مقرر تک (یعنی جب تم تجارتی قرض دینے لگو وقتِ مقرر تک) تو اسے لکھ لیا کرو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سود کے سیاق میں تجارت کے احکام بھی بیان فرمائے ہیں۔ ہم نے لفظ ''دَین'' سے مراد ''تجارتی قرضہ'' لیا ہے۔ اس کے لیے ''قرض'' اور ''دَین'' میں فرق سمجھنا ضروری ہے۔

قرض : ایسا اُدھار جو ذاتی ضروریات کے لیے لیا جائے۔ اس لیے قرآن مجید میں جہاں بھی قرض کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے ساتھ اکثر ''حَسَنًا'' کا لفظ بھی آیا ہے۔ اور قرضِ حسنہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ:

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ﴾ (البقرۃ: ۲۸۰)
''اور اگر وہ (قرض لینے والا) تنگ دست ہو تو (اسے) آسانی تک مہلت دینا ہے''۔

دَین: کسی بھی طرح کی ادائیگی اور اس کی ذمہ داری کو کہتے ہیں' خواہ یہ ادائیگی تجارتی قرضہ کی ہو یا ذاتی قرضہ کی یا کسی دوسری چیز کی۔ (۵)

قرض اور دَین کی وضاحت کے بعد آیئے دیکھیں کہ حرمتِ سود کی سب سے گاڑھی آیت کس تناظر میں نازل ہو رہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرۃ)

اس آیت کا شانِ نزول ابن جریر طبری یوں بیان کرتے ہیں:

''دورِ جاہلیت میں بنوعمرو اور بنومغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین تھا۔ جب اسلام آیا اور سود حرام ہوا تو بنومغیرہ کے ذمے بنوعمرو کا بہت سا مال واجب الادا تھا جس کو بنومغیرہ نے سود کی حرمت کے نازل ہونے کے بعد ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر بنوعمرو نے عتابؓ بن اُسید (امیر مکہ) کے پاس اپنا دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت عتابؓ نے نبی کریم ﷺ سے اس سود کے بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو' اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت لکھ کر عتاب (امیر مکہ) کو بھجوائی اور ساتھ یہ ہدایت کی کہ ''اگر بنوعمرو سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوں تو اُن کو جنگ کا الٹی میٹم دے دو''۔ (٦)

بنوعمرو کے جو افراد بنومغیرہ کو قرض دیا اور لیا کرتے تھے ان میں (تین بھائی) مسعود ثقفی' عبد یالیل' حبیب اور ربیعہ وغیرہ شامل تھے۔ (۷)

ان حضرات کا شمار طائف کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ یہ مال دار لوگ تھے' جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے قرضے تجارتی نوعیت کے تھے' ذاتی ضروریات کے لیے نہیں تھے۔ چنانچہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں: **کان ربا یتبایعون به فی الجاهلیة** ''یہ وہ سود تھا جو جاہلیت میں لوگ تجارتی مقاصد کے لیے لیتے تھے''۔

اس مسئلے پر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا موقف دیکھتے ہیں:

''اس زمانے میں بعض کم سواد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عرب میں زمانہ نزولِ قرآن سے پہلے جو سود رائج تھا یہ صرف مہاجنی سود تھا' غریب اور نادار لوگ اپنی ناگزیر ضروریاتِ

زندگی حاصل کرنے کے لیے مہاجنوں سے قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے اور یہ مہاجن اُن مظلوموں سے بھاری بھاری سود وصول کرتے تھے۔ اسی سود کو قرآن نے ربا قرار دیا ہے اور اسی کو یہاں حرام ٹھہرایا ہے۔ رہے یہ تجارتی کاروباری قرضے جن کا اس زمانے میں رواج ہے' تو ان کا نہ اُس زمانے میں دستور تھا' نہ ان کی حرمت و کراہت سے قرآن نے کوئی بحث کی ہے۔ ان لوگوں کا نہایت واضح جواب خود اسی آیت (سورۃ البقرۃ: ۲۸۰) کے اندر ہی موجود ہے۔ جب قرآنِ حکیم یہ حکم دیتا ہے کہ اگر قرض دار تنگ دست (ذُو عُسرۃ) ہو تو اس کو کشادگی (مَیْسَرۃ) حاصل ہونے تک مہلت دو تو اس آیت نے گویا پکار کر یہ خبر دے دی کہ اس زمانے میں قرض لینے والے امیر اور مال دار لوگ بھی ہوتے تھے''۔(۸)

اس ساری گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید میں حرمتِ ربا اصلاً تجارتی قرضوں کے تناظر میں بیان ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تجارتی قرضوں کا ثبوت

(۱) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ بڑی بڑی رقمیں امانت کے طور پر رکھوانے کے لیے آتے تو آپؓ کہتے: ''امانت سنبھالنا مشکل ہے' میں امانت نہیں بلکہ قرض لیتا ہوں جس سے میں تجارت کروں گا''۔ ان کی شہادت کے بعد اُن کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر نے لوگوں کے قرضوں کا حساب لگایا تو یہ تجارتی قرضے ۲۲ لاکھ درہم تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے والد کی جائیداد بیچ کر یہ قرضے ادا کیے۔(۹)

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ عراق کے جہاد میں شامل ہوئے۔ واپسی پر امیر بصرہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا: ''میں کچھ مال امیر المؤمنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم مجھ سے مال لے کر عراق سے سامانِ تجارت خرید لو۔ مدینے میں سامان بیچ دینا اور رأس المال امیر المؤمنین کو دے دینا''۔ دونوں نے ایسا ہی کیا۔ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مضاربت کے اصول پر تجارت سے ہونے والے نفع میں سے نصف بیت المال کے لیے وصول کر لیا۔(۱۰)

(۳) ہند بنت عتبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیت المال سے چار ہزار درہم کا قرض (تجارت کے لیے) مانگا جو انہوں نے دے دیا۔ ہند بنت عتبہ کو کاروبار میں خسارہ ہوا لیکن انہوں نے بیت المال کو پورا قرضہ ادا کر دیا۔(۱۱)

سود کی علت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾﴾ (البقرۃ)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لیے تمہارا رأس المال (اصل سرمایہ) ہے' نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔

ان آیات میں سود کی حرمت اور مذمت بیان کرتے ہوئے اسے چھوڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ ''نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔ اِن الفاظ میں سود کی ''حکمت'' بیان ہو رہی ہے۔ ایک ضرورت مند شخص اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قرض لیتا ہے۔ قرض دینے والا اس کی ضرورت سے فائدہ اٹھا کر سود وصول کرتا ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں قرض میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جو کہ اس ضرورت مند شخص پر ظلم ہے۔

سود کو جائز قرار دینے والے اِن الفاظ کے پیش نظر حرمت ربا کی علت ظلم قرار دیتے ہیں' لہٰذا اُن کے نزدیک اگر کوئی شخص تجارتی ضرورت کے تحت قرض لے کر ہنسی خوشی اضافے کے ساتھ واپس کرتا ہے تو یہ ظلم نہیں ہے' لہٰذا حرام بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک کم شرحِ سود یا ہر وہ قرضہ جس میں بظاہر ظلم نظر نہیں آتا' جائز ہے۔

اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ 'ظلم' اصل میں ربا کی علت نہیں بلکہ حکمت ہے۔ علت اور حکمت میں فرق ہے۔ علت اس بنیاد کو کہتے ہیں جس پر کوئی شرعی حکم موقوف ہوتا ہے۔ اگر علت باقی نہ رہے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ علماء نے دلائل کی بنیاد پر کسی چیز کو علت قرار دینے کے لیے شرائط رکھی ہیں۔ ان شرائط کی عدم موجودگی میں کسی چیز کو علت قرار نہیں دیا جا سکتا' جبکہ ''حکمت'' ایسی مصلحت کو کہتے ہیں جسے شارع اس حکم کی تشریع کے ذریعے پورا کرنا چاہتا ہے۔ مصلحتیں ایک سے زائد بھی ہو سکتی ہیں لیکن اس کے سقوط سے حکم ختم نہیں ہوتا۔ چونکہ ''ظلم'' ربا کی علت نہیں ہے' لہٰذا اسے علت قرار دے کر باہمی رضامندی کے سودی معاملے کو

جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور اگر بالفرض ظلم کو علت مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ بات سمجھنا قطعاً مشکل نہیں کہ ہر سودی معاملے میں ظلم لازمی طور پر موجود ہے۔ ظلم کا تعلق صرف سود دینے اور لینے والے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سودی معیشت اسلامی معیشت کی جڑیں کاٹنے کی وجہ سے پورے اسلامی معاشرے پر ظلم کی مرتکب ہوتی ہے۔ سود دینے اور لینے والے افراد کے علاوہ دیگر لوگ بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یوں خوشی سے سود لینے اور دینے والے بظاہر ظلم سے محفوظ رہ کر بھی دوسرے افراد پر ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سود میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کا ظلم پایا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلاف کے طریقے سے ہٹ کر ''الفاظ اور عقل'' سے دین کی تشریح کرنے کی کوشش کرنے والوں کی خدمت میں ہم یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر صبح کے وقت' جب ٹریفک بہت کم ہوتی ہے' کوئی صاحب چوک پر اشارہ کاٹ کر گزر جائیں اور سامنے سے ٹریفک سارجنٹ نمودار ہو کر اس کا چالان کرنے کی کوشش کرے اور وہ صاحب چوک میں ٹریفک پولیس کی طرف سے لگائے گئے بینر کی عبارت پڑھ کر سنائیں ''اشارے کی پابندی کیجیے' حادثات سے بچیے'' اور اس عبارت کی بنیاد پر وہ یہ دعویٰ کریں کہ اشارے کی پابندی کی علت حادثے سے بچنا ہے' میں نے اشارہ کاٹ کر کوئی حادثہ نہیں کیا' لہٰذا میرا چالان نہیں ہونا چاہیے' تو کیا آپ اس صاحب کے عذر کو تسلیم کر لیں گے؟ (جاری ہے)

حواشی

(۱) سنن الترمذی' کتاب البیوع' باب ما جاء فی اکل الربا۔ امام مسلم فرماتے ہیں: حضرات عمر' علی' جابر اور ابو جحیفہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایسی ہی احادیث مروی ہیں۔

(۲) سنن ابن ماجه' کتاب التجارات' باب التغلیظ فی الربا۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے ماہنامہ حکمت قرآن' بابت مئی ۲۰۰۷ء۔

(٤) روح المعانی' ج۳' ص ۵۰۔

(٥) مترادفات القرآن' از مولانا عبدالرحمن کیلانی' ص ۱۲۷'۱۲۸۔

(٦) تفسیر ابن جریر طبری' ج۳' ص ۱۰۷۔

(۷) تفسیر ابن جریر طبری' ج۳' ص ۱۰۷۔

(۸) تدبر قرآن' مولانا امین احسن اصلاحی' ج۱' ص ۶۳۹' سورة البقرة: ۲۸۰۔

(۹) صحیح البخاری' کتاب فرض الخمس' باب برکة الغازی فی ماله حیا ومیتا۔

(١٠) موطأ امام مالك' كتاب القراض' باب ما جاء في القراض' تفصيلاً۔
(١١) تاریخ طبری' ج٥' ص ٢٩۔

بقیہ : فہم القرآن

لَا تُؤَاخِذْنَآ : تو مت پکڑ ہم کو
نَّسِيْنَآ : ہم بھول جائیں
اَخْطَاْنَا : ہم چوک جائیں
وَلَا تَحْمِلْ : اور تو مت ڈال
اِصْرًا : کوئی ذمہ داری
حَمَلْتَهٗ : تو نے ڈالا اس کو
مِنْ قَبْلِنَا : ہم سے پہلے تھے
وَلَا تُحَمِّلْنَا: اور تو مت اُٹھوا ہم سے
لَا طَاقَةَ : کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہے
بِهٖ : جس کی
عَنَّا : ہم سے
لَنَا : ہم کو
اَنْتَ : تو
فَانْصُرْنَا : پس تو ہماری مدد کر

اِنْ : اگر
اَوْ : یا
رَبَّنَا : اے ہمارے ربّ
عَلَيْنَآ : ہم پر
كَمَا : جس طرح
عَلَى الَّذِيْنَ : ان لوگوں پر جو
رَبَّنَا : اے ہمارے ربّ
مَا : اس کو
لَنَا : ہم میں
وَاعْفُ : اور تو درگزر کر
وَاغْفِرْ : اور تو بخش دے
وَارْحَمْنَآ : اور تو رحم کر ہم پر
مَوْلٰنَا : ہماری بگڑی بنانے والا ہے
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ : کافر قوم (کے مقابلے) پر

نوٹ (١) : نیکی کرنا انسانی فطرت کے مطابق ہے اس لیے اس کے لیے فعل ثلاثی مجرد سے ''كَسَبَتْ'' آیا ہے۔ جبکہ برائی کرنے کے لیے انسان کو اپنے ضمیر سے لڑنا پڑتا ہے' اس لیے اس کا فعل بابِ افتعال سے ''اِكْتَسَبَتْ'' آیا ہے۔

تعارف وتبصرۂ کتب

(۱)

نام کتاب : ابن خلدون (حیات وخدمات)

مصنف : محمد عبداللہ عنان

مترجم : توراکینہ قاضی

ضخامت:176 صفحات ' قیمت:120 روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ مطبوعات سلیمانی' اردو بازار' لاہور

ابن خلدون ایک نابغہ روزگار شخصیت ہیں۔ وہ تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں تیونس میں پیدا ہوئے۔ یہ حافظ قرآن تھے۔انہوں نے قراءت کے مختلف طریقے سیکھے' صرف ونحو اور علمِ انشاء کے علاوہ حدیث وفقہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔

تیونس سے یہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مصر آ رہے تھے کہ راستے میں بحری جہاز ڈوب گیا اور یہ اپنے بیوی بچوں سے محروم ہو گئے۔مصر میں وہ عہدۂ قضا پر مأمور ہوئے۔ جامعہ الازہر میں ان کا خطبہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ قاضی القضاۃ کے عہدے پر کئی دفعہ مقرر ہوئے اور کئی دفعہ معزول ہوئے۔

ابن خلدون بلند پایہ ادیب' مؤرخ' مفکر' شاعر اور خطیب تھے۔ ان کی وجۂ شہرت ''مقدمہ'' ہے جو لافانی عظمت کی حامل کتاب ہے' جس کا آغاز وہ تاریخ کی اہمیت' قدر و قیمت' اس کی اقسام اور ان غلطیوں کے تذکرے سے کرتے ہیں جو مؤرخین سے واقعات کو محفوظ رکھنے میں سرزد ہو جایا کرتی ہیں۔ابن خلدون نے مسلم تاریخ کو باقاعدہ ایک سائنس قرار دیا۔انہیں عمرانیات کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔صدیاں گزر جانے کے باوجود عمرانیات کے متعلق ابن خلدون کے نظریات مسلمات کی حیثیت رکھتے ہیں۔البتہ حیرت ہے کہ اتنے بڑے عالم اور مفکر کی سیاسی زندگی حرص وہوا' دجل وفریب' محسن کشی اور بے وفائی جیسے رذائل اخلاق سے آلودہ تھی۔

تو را کینہ قاضی نے محمد عبداللہ عنان کی اس کتاب کا ترجمہ بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔علم تاریخ کے ساتھ دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک مفید کتاب ہے جس میں عمرانیات کے بانی کے حالاتِ زندگی' کارناموں اور نظریات کو واضح کیا گیا ہے۔

(تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ)

(۲)

نام کتاب : المصنفات فی الحدیث

مصنف : مولانا محمد زمان کلاچوی

ضخامت: 495 صفحات

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی' خالق آباد' ضلع نوشہرہ' صوبہ سرحد

مکتبہ سید احمد شہید' 10۔الکریم مارکیٹ' اردو بازار' لاہور

یہ کتاب دراصل ''جامعہ العلوم الاسلامیہ'' بنوری ٹاؤن کراچی میں درجہ تخصص (پی ایچ ڈی) کے لیے پیش کیا جانے والا مقالہ ہے۔ یہ مقالہ وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد ادریس میرٹھی کی زیرنگرانی اور مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں لکھا گیا۔اس مقالہ کی علمیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قدر عظیم شخصیت نے اس کی نگرانی اور سرپرستی فرمائی ہے۔

اصل مقالہ عربی زبان میں ہے۔مصنف نے خود ہی اس کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔کتاب کے آغاز میں علامہ محمد یوسف بنوری کی اس مقالہ کی کامیابی کی تحریر کا عکس ہے۔ مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ بھی شامل ہے۔فاضل مصنف نے ابتدا میں چند اہم علوم الحدیث سے متعلقہ موضوعات پر گفتگو فرمائی ہے۔اس کے بعد ائمہ اربعہ کی تصانیف اور کتب ستہ کا تفصیلی تعارف کروایا ہے۔اس کے بعد ہر صدی میں سامنے آنے والی کتب حدیث اور ان کے مؤلفین کا تعارف شامل ہے۔اسی زمانی ترتیب سے دس صدیوں میں ہونے والی حدیث کے میدان میں علمی کاوشوں کو یکجا کر دیا ہے۔اس دور کی اکثر کتابوں کا تذکرہ اس کتاب میں جمع ہو گیا ہے جن کی مجموعی تعداد ۲۵۴ ہے۔

موجودہ دور میں جس طرح متجددین اور مستشرقین کی طرف سے حدیث پر حملے ہو رہے ہے

ہیں ایسے میں یہ کتاب خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ بالخصوص جب حدیث کو عجمی سازش اور بعد کے راویوں کی اختراع قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب ایسے الزامات کا ایک عمدہ جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح دس صدیوں میں حفاظت حدیث کا کام محدثین کرام کے نفوسِ قدسیہ سے کروایا اور یہ سلسلہ پہلے سے بڑھ کر شان و شوکت سے جاری ہے۔

فاضل مصنف نے کتب کو زمانی ترتیب سے جمع فرمایا ہے۔ اگر وہ یہ اصول کتاب کی ابتدا میں بھی رکھتے تو زیادہ بہتر تھا۔ کتاب حدیث اور محدثین کے متعلق ہے' اس لیے آغاز میں ائمہ کرام کی کتب کو پیش کرنا بے ربط سا محسوس ہوتا ہے۔ دوسرے اس سے اپنے فقہی رجحان کو غالب کرنے کی کوشش بھی نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔

ہر مسلمان کو محدثین کرام کی گراں قدر خدمات سے آگاہ رہنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے' جن کے عظیم سرمائے پر فخر کرنے میں مسلمان حق بجانب ہیں۔ کتاب کی جلد مضبوط اور ٹائٹل خوبصورت ہے۔ (تبصرہ نگار: مرزا عمران حیدر)

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے متفرق خطابات
☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

بقیہ : حرفِ اوّل

اب اللہ کے فضل و کرم سے بعض علمائے کرام اس طرف توجہ دے رہے ہیں' لیکن ضرورت اس امر کی ہے اس کام کو بڑے پیمانے پر ایک تحریک کی شکل میں آگے بڑھایا جائے۔ جس طرح مدارس میں دورۂ تفسیر کروایا جاتا ہے ایسے ہی شیوخ التفسیر کو چاہیے کہ وہ قرآن کا صرفی دورہ بھی کروائیں جس میں قرآن پر علم الصرف کے قواعد کی تطبیق کی جائے اور قرآن کا نحوی دورہ بھی کروائیں جس میں پورے قرآن کو نحوی اعتبار سے حل کیا جائے۔ اسی طرح قرآن کا بلاغی دورہ کروائیں جس میں قرآنی آیات میں موجود تمثیلات' تشبیہات' استعارات اور کنایات وغیرہ کی طلبہ کے سامنے وضاحت کی جائے۔ مزید برآں قرآن کا لغوی دورہ کروائیں جس میں لغت کی اُمہات الکتب کی روشنی میں قرآنی الفاظ کے تاریخی پس منظر سے طلبہ کو متعارف کروایا جائے اور قرآن کے مترادف الفاظ کے باریک فرق سے ان کو آگاہ کیا جائے' وغیرہ۔ اس طرح بیسیوں علوم کی روشنی میں قرآن کے بیسیوں دورے کروائے جاسکتے ہیں جس سے قرآن کے عجائبات سے پردہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے پچھلے سال سے قرآن اکیڈمی میں رجوع الی القرآن کورس کے پارٹ ٹو کا آغاز کیا گیا' جس میں مکمل قرآن لغوی اعتبار سے پڑھایا گیا اور بعض مقامات پر قرآن کے صرف و نحوی اشکالات کو بھی حل کیا گیا۔ رواں سال میں یہی کورس تقریباً اڑھائی ماہ میں ''سمر کیمپ کورس'' کے نام سے روزانہ اڑھائی' تین گھنٹے کی تدریس میں ۳۲ مردوں اور ۱۵ خواتین نے مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اعلیٰ تر علمی سطح پر اپنی کتاب کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین!

احباب مطلع رہیں کہ رجوع الی القرآن کورس (پارٹ 1) کا آغاز ان شاء اللہ مورخہ ۱۰ ستمبر سے ہو رہا ہے۔ اس کورس کا تعارفی اشتہار اسی شمارے کے بیک ٹائٹل کے اندرونی صفحہ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ○○

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِاہتمام قرآن اکیڈمی کے

رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لیے طالبانِ قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں!

تعلیم یافتہ حضرات کے لیے قرآن حکیم کو سمجھنے اور فہم دین کے حصول کا سنہری موقع

یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لیے ترتیب دیا گیا ہے' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے ـــــ تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔

نصاب

۱) عربی صرف ونحو
۲) ترجمہ قرآن (تقریباً پانچ پارے)
۳) آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل (تقریباً دو پارے)
۴) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہ نمائی (منتخب دروسِ قرآن)
۵) تجوید وحفظ
۶) مطالعۂ حدیث
۷) اصطلاحاتِ حدیث
۸) اضافی محاضرات

o کورس کا آغاز ان شاء اللہ 10 ستمبر سے ہوگا اور کورس کا دورانیہ نو (9) ماہ ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم شعبۂ تدریس' قرآن اکیڈمی

36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور (فون:3-5869501)

email : irts@tanzeem.org